نہرو بال پستکالیہ
ہماری ندیوں کی کہانی
(حصہ دوم)

(1898) 1976

The Story of Our Rivers
(Part II)
(URDU)

تقسیم کار:
مکتبہ جامعہ لمیٹڈ
نئی دلّی، دلّی، بمبئی، علی گڑھ

ڈائریکٹر نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا A-5 گرین پارک، نئی دلی 16 نے اندر پرستھ
پریس (C.B.T) نہرو ہاؤس، بہادر شاہ ظفر مارگ میں چھپوا کر شایع کیا۔

نہرو بال پستکالیہ — ۲۹

ہماری ندیوں کی کہانی

(حصہ دوم)

تصنیف:
ال۔ ولی اپّا
تصاویر:
پرناب چکرورتی
ترجمہ:
سیّد احسان

نیشنل بک ٹرسٹ، انڈیا
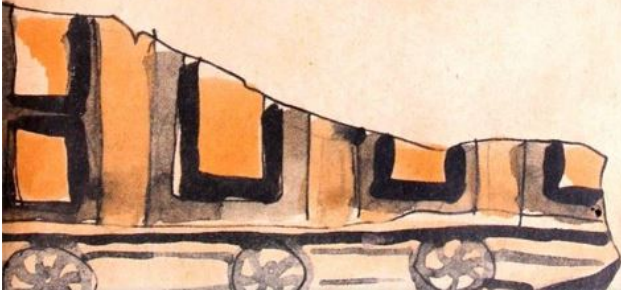
کے لیے ہم کو پانی کی کثیر مقدار میں ضرورت پڑتی ہے۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی آبادی کی روزی کا دارومدار دریاؤں پر ہے جن سے زراعت کے لیے پانی دستیاب ہے۔

آپ نے دیکھا کہ ہندوستان کے ہر کونے میں دریا، چاہے وہ برفیلے ہمالیہ پہاڑوں سے نکلیں یا ان کی تخلیق موسمی بارشوں سے ہو، ہماری زندگی میں کتنا اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اور صرف ہماری ہی زندگی میں کیوں؟ بلکہ قدیم زمانے سے ہی تمام دُنیا کی آبادی کی زندگی کا انحصار دریاؤں پر رہا ہے۔ یہ کئی طریقوں سے ہمارے کام آتے ہیں۔

قدیم زمانے میں یہ حملہ آوروں سے ہماری حفاظت کرتے تھے۔ آج بھی یہ کسی مُلک یا علاقے کی سرحد کا کام دیتے ہیں۔ قدیم ترین تہذیبیں ــــ آریائی، مصری، بابلی، اسوری ــــ کسی نہ کسی دریا کے کنارے ہی وجود میں آئیں اور پھلی پھولیں۔

کاویری

دریائے کاویری میسور اور تامل ناڈو (مدراس) کی ریاستوں میں بہتا ہے۔ یہ دریا میسور کے برہم گری پہاڑوں سے نکلتا ہے جن کی اونچائی سطح سمندر سے ۱۳۲۰ میٹر ہے۔ یہ پہاڑی سلسلے جو دراصل مغربی گھاٹ کا ایک حصّہ ہیں کورگ نامی علاقے میں قایم ہیں۔ کیا کبھی آپ نے کورگ کے بارے میں سُنا ہے؟ یہ موجودہ ریاست میسور کا ایک خوب صورت پہاڑی علاقہ ہے۔ کورگ کے لوگ راجپوتوں سے ملتے جلتے ہیں۔ یہ بہت نڈر اور جنگجو ہیں۔

بچّے کی پیدائش کی طرح دریا کا جنم بھی مُبارک اور خوش کن ہوتا ہے اور اس موقع پر جشن منایا جانا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر سال میں ایک دن (شنکرامن —— ہندو کلینڈر کے مطابق) لوگ برہم گری کی پہاڑیوں پر چڑھتے ہیں تاکہ کاویری کے منبع کا نظارہ کر سکیں جو ایک چھوٹے سے تالاب کے درمیان سے نکلتا ہے۔ قدیم زمانے میں جبکہ سڑک ان پہاڑوں سے پانچ کلومیٹر اس طرف ختم ہو جاتی تھی اور وہاں جنگلی جانوروں کا دور دورہ رہا کرتا تھا، اُس وقت بھی لوگ کثیر تعداد میں مشکل گزار راستوں کو طے کر کے اس چشمے کو دیکھنے کے لیے ہر سال اکتوبر کے مہینے میں پہاڑوں پر چڑھا کرتے تھے۔ یہ چشمہ ہی درحقیقت لوگوں کی توجہ کا خاص مرکز رہا ہے لیکن اس کے علاوہ اس راستے کے خوب صورت قدرتی مناظر بھی کم دل کش نہیں ہیں۔

پہاڑوں کی اس چڑھائی پر ایک خاص جگہ ایک پتّھر ہے جس پر چڑھ کر پہاڑ کی چوٹی بہ آسانی دیکھی جا سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اٹھارویں صدی عیسوی میں میسور کے ایک حاکم ٹیپو سُلطان کو، جب وہ کورگ کے ایک حملے سے واپس لوٹ رہے تھے، اس مقام پر بغرض آرام رُکنے کا اتفاق ہوا۔ انھوں نے ایک پہاڑی پر چڑھ کر اوپر کی طرف دیکھا اور اس وقت انھوں نے کاویری کے منبع کا نظارہ کیا۔ یہ دیکھ کر ان کے تمام جسم میں عقیدت اور

خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی اور انھوں نے اپنے سر کو خم کر کے اس عظیم دریا کو سلامی دی۔ اس وقت سے اس پہاڑی کو 'سلامی کی پہاڑی' کہا جاتا ہے۔

مغربی گھاٹ
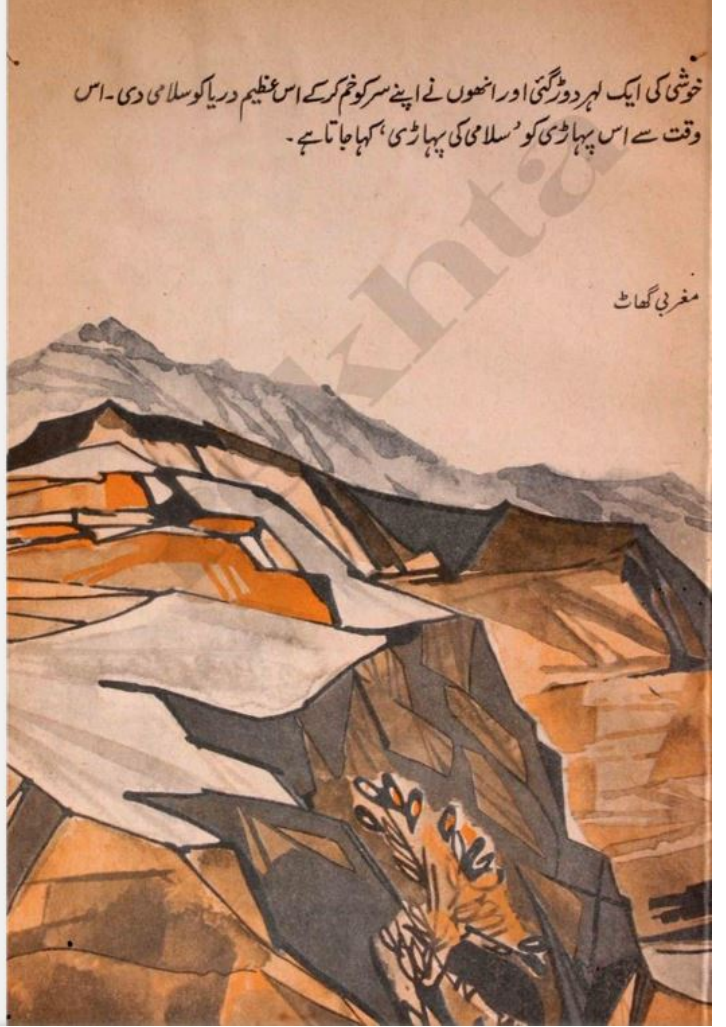
کاویری کے چشمے سے بہنے والا پانی ایک چھوٹے سے تالاب میں اکٹھا ہوتا ہے۔ جو لوگ اس کو دیکھنے آتے ہیں خوشی سے بھرپور پُرجوش نعرے لگاتے ہیں اور اس کے قریب بنے ہوئے ایک بڑے تالاب کی طرف جاتے ہیں۔ وہ اس بڑے تالاب میں جس میں چھوٹے تالاب سے پانی آتا ہے اُترتے ہیں اور اپنے سروں کو اس میں تین مرتبہ ڈُبوتے ہیں۔ کوئی بھی منبع والے چھوٹے تالاب میں نہیں نہاتا۔ بڑے تالاب میں اس رسمی غسل کے بعد لوگ چھوٹے تالاب کی طرف جاتے ہیں اور اپنے چُلّوؤں میں پانی لے کر اپنے سروں پر چھڑکتے ہیں۔ اس کو 'تیز غسل' کہا جاتا ہے۔ کچھ لوگ بانس کی ٹیوبوں میں پانی اپنے گھر لے جاتے ہیں۔ دریائے گنگا کی طرح اس دریا کا پانی بھی کئی دن تک تازہ اور قابلِ استعمال رہتا ہے۔ یہی چیز ان دوسرے دریاؤں پر بھی صادق آتی ہے جن میں گندگی نہیں اکٹّھا ہوتی۔

یہ کوئی تعجّب کی بات نہیں ہے کہ میسور اور تامل ناڈو میں بہت سی لڑکیوں کا نام اس دریا کے نام پر رکھا جاتا ہے۔ اس دریا کے ہر موڑ اور کناروں پر واقع ہر مندر کے بارے میں مختلف کہانیاں مشہور ہیں۔ ان میں سے ایک کہانی رشی اگستیہ اور دریائے کاویری کے آغاز کے متعلق بھی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ کاویری ایک خوب صورت لڑکی تھی۔ برہما نے یہ لڑکی راجہ کاویرن کو تحفے کے طور پر دی تھی۔ بعد میں رشی اگستیہ کو اس لڑکی سے عشق ہو گیا اور اس نے اس لڑکی سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کی۔ کاویری کے باپ راجہ نے اس کی درخواست منظور کر لی لیکن ساتھ ہی ایک شرط بھی رکھی کہ وہ کبھی بھی کاویری کو اکیلا نہ چھوڑے گا۔ اگستیہ نے وعدہ کر لیا۔ اس کے بعد ان کی شادی ہو گئی اور دونوں ایک خانقاہ میں خوش و خرم زندگی گزارنے لگے۔ کافی عرصے تک رشی اگستیہ اپنے وعدے پر قایم رہا لیکن ایک دن اس نے اپنے شاگردوں کو فلسفے کا ایک مشکل

سبق دینا شروع کیا۔ سبق لمبا ہوتا گیا اور یہ رشی مقررہ وقت پر گھر نہ لوٹ سکا۔ کاویری کو انتظار کرتے کرتے کافی دیر ہوگئی۔ اس کے دل میں اپنے خاوند کے لیے بُرے بُرے خیالات آنے لگے۔ اس کے بغیر اس کو جینا دوبھر معلوم ہونے لگا اور اس نے اپنی زندگی ختم کرنے کی ٹھانی۔ اس سے پہلے کہ اس کو کوئی روک سکتا اس نے اس تالاب میں چھلانگ لگا دی جس میں روزانہ اس کا خاوند نہایا کرتا تھا لیکن وہ مری نہیں۔ وہ تالاب میں نیچے کی طرف بیٹھتی چلی گئی اور زمین کے نیچے ہی غائب ہوگئی، پھر وہ ایک دریا میں تبدیل ہوئی اور آہستہ روی کے ساتھ برہم گری کی پہاڑیوں میں اس نے بہنا شروع کر دیا اور وہ خود اس کی چوٹی کے قریب ایک چشمے کی شکل میں نمودار ہوئی۔

رشی اگستیہ جو اپنی بیوی کو پہاڑوں کے کونے کونے میں تلاش کر رہا تھا ایک دن اس پہاڑ کی چوٹی پر بھی چڑھ آیا۔ وہاں اس نے اپنی بیوی کو اس چشمے کے روپ میں پہچان لیا اور اس سے گھر واپس چلنے کی درخواست کی۔ کافی دیر کی منّت سماجت کے بعد کاویری اپنے جسم کا صرف آدھا حصّہ لے کر گھر چلنے پر رضامند ہوئی۔ اس نے کہا کہ آج سے میرا آدھا حصّہ دُنیا میں تمھاری بیوی کی حیثیت سے رہے گا اور بقیہ آدھا دریائے کاویری کی حیثیت سے مادرِ وطن

کی دولت میں اضافہ کرے گا۔ اس نے کورگ کے لوگوں سے یہ وعدہ کیا تھا کہ وہ ہر سال لوگوں کو اس جگہ پر درشن دیا کرے گی جہاں وہ پہلی مرتبہ چشمے کے روپ میں ظاہر ہوئی تھی۔ لوگوں کا خیال ہے کہ وہ ہر سال اپنا وعدہ پورا کرتی ہے۔

کوئی بھی دریا صرف پانی کا ایک قطعہ ہی نہیں ہے بلکہ وہ زندگی سے بھرپور متحرک طاقت ہے۔ یہ نظر آنے والی اور پوشیدہ زندگی پر مشتمل ہے۔ یہ زندگی کی تخلیق بھی کر سکتا ہے اور اس کو برباد بھی کر سکتا ہے۔ دریا کے پانی کا رنگ ہر جگہ کی زمین کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے اور وقت بہ وقت اس کی لمبائی چوڑائی میں بھی تبدیلی آتی رہتی ہے، حتیٰ کہ جگہ جگہ اس کے پانی کا مزہ بھی تبدیل ہو جاتا ہے۔ ہر دریا کا اپنا ایک کردار ہوتا ہے۔ شعراء دریا کی طبیعت کے مختلف رنگوں کو محسوس کرتے ہیں؛ انجینیر لوگ بند اور پُل بنانے سے پہلے ان کا اچھی طرح مطالعہ کرتے ہیں؛ کشتی بان اور کسان ان سے ہر وقت باخبر رہتے ہیں۔

دریائے کاویری کا بھی اپنا ایک خاص کردار ہے۔ اس کی ۷۶۵ کلومیٹر کی لمبائی میں جگہ جگہ اس کے کردار میں تبدیلی آتی رہتی ہے۔ ایک جگہ اس کو 'اکھنڈ کاویری' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے یعنی ایک عظیم دریا جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا ملتے ہیں۔ تامل ناڈو میں داخل ہونے سے ذرا پہلے اس کو 'میگھ ناڈو' یا 'آڈو تھانڈم کاویری' کہا جاتا ہے یعنی وہ دریائے کاویری جس کو ایک بھیڑ بھی بہ آسانی پھلانگ کر عبور کر سکتی ہے۔ میسور کے برندابن باغ میں یہ آہستہ روی سے سیڑھیوں سے اُترتا اور بہتا ہے جبکہ سیوا سمدرم آبشار کے موقع پر یہ ایک خوب صورت دیو معلوم ہوتا ہے جو کہ پہاڑ کی بلندیوں سے قوس قزح کے رنگوں میں نیچے کی طرف گرتا ہے۔ سری رنگم میں یہ ایک مقدّس دریا ہے اور سری رنگا پٹنم میں یہ پرندوں کے لیے خوب صورت جائے پناہ تخلیق کرتا ہے۔ سال کے چند حصّوں میں یہ دریا اتنا پُرامن رہتا ہے کہ بچّے بھی اس میں تیر سکتے ہیں لیکن کبھی کبھی یہ اپنے کناروں سے اوپر اُٹھ کر دیوانگی کے ساتھ آگے کی طرف بڑھتا ہے اور اپنے راستے میں آنے والے کھیتوں اور دوسری چیزوں کو

تباہ و برباد کر دیتا ہے۔

کاویری صرف ایک دریا کا نام نہیں ہے بلکہ تمام بڑے دریاؤں کی طرح یہ بھی کئی چھوٹے چھوٹے دریاؤں پر مشتمل ہے۔ جب یہ کاویری پوم پٹنم کے قریب سے گزرتا ہوا خلیج بنگال میں ملتا ہے اس وقت اس کی حیثیت ایک پتلے سے چشمے کی ہوتی ہے۔ یہاں کاویری طول طویل سفر کے بعد تھکا تھکا اور ضعیف معلوم ہوتا ہے اور تمام پانیوں کے دیوتا، عظیم سمندر کی گود میں سر ڈال کر آرام کرنے کا مستحق معلوم ہوتا ہے۔ برہم گری پہاڑوں کی چوٹی سے جہاں سے دریائے کاویری نکلتا ہے بحرِ عرب کا نظارہ کیا جا سکتا ہے۔ اور یہ دریا مختلف موڑ لیتا ہوا حیرت ہندوستان کے مشرق میں بہتا ہوا اس عظیم سمندر کی طرف بہتا ہے۔

دریائے کاویری اپنے منبع سے نکل کر برہم گری کے پہاڑوں پر بہتا ہوا میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں پر اس سے دو دریا کنک اور گجوتی ملتے ہیں۔ ان تین دریاؤں کے سنگم پر بھم منڈلم نامی قصبہ آباد ہے جو جنوبی ہندوستان میں شمالی ہندوستان کے پریاگ کی طرح مشہور ہے لیکن یہاں پر بھی دریائے کاویری کی حیثیت بہت معمولی ہے لیکن جب یہ بہتا ہوا کورگ سے نکل جاتا ہے اس سے دو دوسرے دریا ہماوتی اور لکشمن ملتے ہیں۔ یہاں یہ دریا بہت لمبا چوڑا اور گہرا ہو جاتا ہے۔

اس جگہ پر کنام باڈی بند ہے۔ یہ ریاست میسور میں دریائے کاویری پر سب سے پہلا بند ہے۔ یہ بند تمام سال آب پاشی اور بجلی پیدا کرنے اور پانی مہیّا کرنے کے لیے باندھا گیا تھا۔

اس وقت جبکہ انسان کو بند کی تعمیر کا علم نہیں تھا، موسم گرما میں تمام زمین سُوکھ جاتی تھی، فصلیں مُرجھا جاتی تھیں اور زمین میں ڈالا ہوا بیج بار آور نہیں ہوتا تھا کیوں کہ مٹّی کی رطوبت ختم ہو جاتی تھی لیکن ذخیرۂ آب کی تعمیر کے بعد سے کسانوں کو بہ وقتِ ضرورت پانی مہیّا ہو سکتا ہے اور اب سال میں دو تین فصلیں اُگائی جا سکتی ہیں۔

لیکن دریا پر بند باندھنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اگرچہ ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ دریائے کاویری پر تعمیر شدہ سب سے قدیم بند جسے 'سدِ سنگی' کہتے ہیں ۱۶۰۰ سال پُرانا ہے بلکہ ہوسکتا ہے کہ ۱۸۰۰ سال پُرانا ہو۔ اس بارے میں مؤرخین میں اختلاف ہے۔

دریائے کاویری کے دونوں طرف حد بندی کی دیواریں تقریباً ۱۶۰ کلومیٹر تک بڑھتی گئی ہیں اور یہ بات محکم ہے کہ ان کی تعمیر 'کاری کل' نامی چولا خاندان کے ایک راجہ کے حکم پر کی گئی اور اسی نے سدِ سنگی کو بھی تعمیر کرایا تھا۔ اس بند کی تعمیر اس زمانے میں کی گئی تھی جبکہ آج کی طرح باقاعدہ فنِ تعمیر کا علم لوگوں کو نہیں تھا۔ اُنیسویں صدی میں اضافے کے ساتھ اس کی دوبارہ تعمیر کی گئی اور اس کو اب عظیم سَد کا نام دیا گیا۔ یہ لمبا چوڑا پُل تامل ناڈو کی دریائی تاریخ میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔

کسی بھی دریا کا سیلاب بہت مہلک اور تباہ کن ہوسکتا ہے لیکن اگر لوگوں کو اس کی آمد کا اندازہ پہلے سے ہوجائے اور وہ اس کے لیے تیار ہوجائیں تو تباہی اور بربادی کو کافی حد تک روکا جاسکتا ہے۔ ایسے مواقع پر 'تمل' قوم احتیاطی تدابیر سے بھی چند قدم آگے بڑھ جاتی ہے۔ جب دریائے کاویری میں سیلاب آنے والا ہوتا ہے تو وہ اس موقع پر جشن مناتے ہیں اور اس موقع پر ایک میلہ لگتا ہے جس کو اٹھارویں کا سیلاب کہا جاتا ہے — آڈی (جولائی۔ اگست) مہینے کی اٹھارویں تاریخ کو لوگ ہزاروں کی تعداد میں جمع ہوکر دریا کی پوجا کرتے ہیں۔ احسان مندی کے اظہار کے لیے چراغ جلاتے ہیں اور دریائے کاویری کو پھل، مٹھائی اور پھولوں کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اس دن سب لوگ بہت خوشی مناتے ہیں اور اس کے کناروں پر پکنک مناتے ہیں۔

کیا آپ کو معلوم ہے کہ ریاست میں دریائے کاویری پر 'کنام باڈی' نام کا بند کس نے تعمیر کیا؟ میں آپ کو ایک قصّہ سُناتا ہوں۔ سو سال سے بھی پہلے ایک دن ریاست میسور کے ایک گاؤں کے اسکول میں سنسکرت کی کلاس ہو رہی تھی۔ اُستاد طلباء کو کتاب کے اگلے سبق

کے بارے میں بتا رہا تھا۔ یہ سبق تندرستی کی اہمیت پر تھا۔ اچانک وہ بات کرتے کرتے رُک گئے۔ انھوں نے ایک خوب صورت مگر بہت ہی دُبلے پتلے لڑکے کی طرف، جو کہ ان کی بات بہت ہی غور سے سُن رہا تھا، اشارہ کرکے کہا "ہم اچھی تندرستی کے بارے میں بات کر رہے ہیں لیکن وسواسرن کو دیکھو۔ یہ ابھی نوجوان ہے اور اس کو کافی مضبوط جسم کا مالک ہونا چاہیے جبکہ یہ بہت ہی کمزور اور صرف ہڈیوں کا ڈھانچہ ہے۔ اگر اس کی صحت کا یہی حال رہا تو یہ تیس برس سے زیادہ زندہ نہ رہے گا۔"

لیکن یہ نوجوان وسواسرن تیس سال کی عُمر میں نہیں مرا۔ یہ ہندوستان کا عظیم ترین صنعتی انجینیر بنا۔ اس کو بھارت کے سب سے بڑے خطاب 'بھارت رتن' سے نوازا گیا۔ اس کے علاوہ اس سے بھی زیادہ دل چسپ بات یہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کی ایک سو ایکویں سالگرہ دیکھی جس کو تمام ہندوستان میں بہت ہی دُھوم دھام سے منایا گیا۔ ہندوستان کی عظیم شخصیتوں کی تاریخ میں سر ایم، وسواسرن کا نام بہت سے ناموں سے پہلے آتا ہے۔

انھوں نے اپنی طول طویل زندگی میں وہ کمالات حاصل کیے کہ ہمارے لیے ان کا انتخابی ذکر بھی مشکل ہے اور ہم حیران ہیں کہ کس نقطے سے ان کی کامیابیوں کی داستان شروع کریں۔ (آزادی سے قبل جبکہ میسور ایک شاہی ریاست تھی) ان کو میسور کا دیوان مقرر کیا گیا۔ میسور یونیورسٹی، میسور بنک، بھدراوتی اسٹیل پلانٹ اور بہت سے دوسرے صنعتی ادارے قایم کرنے کا فخر اور فضیلت ان ہی کو حاصل ہے۔

یہ سر ایم، وسواسرایّا ہی تھے جنھوں نے کنّام باڈی بند کا ڈیزائن ترتیب دیا — یہ بند کاویری، ہیماوتی اور لکشمن تیرتھ دریاؤں کے سنگم کی جگہ سے ذرا دُور ہٹ کر بنایا گیا ہے۔ یہاں ان تین دریاؤں کے پانی کو ایک بہت بڑی جھیل یا خزانہ آب میں ۴۰ میٹر اونچے اور ۲۶۰۰ میٹر لمبے بند کی مدد سے روکا جاتا ہے۔ اس کا سطحی رقبہ

۱۲۸ مربع کلومیٹر ہے۔ اس بند کی تعمیر کا سنگِ بنیاد ۱۹۱۱ء میں رکھا گیا اور بارہ برس کی مدّت میں یہ تکمیل کو پہنچا۔ اس کی مدد سے پانی کا جو خزانہ وجود میں آیا میسور کے راجہ کے نام کے ساتھ منسوب کرتے ہوئے 'کرشن راجہ ساگر' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

کرشن راجہ ساگر کے کناروں پر ایک بہت ہی خوب صورت باغ ہے جس کو بہت ہی

مناسب نام 'برندابن' سے پکارا جاتا ہے۔ قصّے کہانیوں میں مذکور ہے کہ برندابن میں ہی کرشن نے اپنا بچپن اور لڑکپن کھیل کود میں گزارا۔ یہ جگہ انسانی شعور اور قدرتی خوبصورتی کا مشترک شاہکار ہے۔ یہاں کی ہر چیز سیّاحوں کے دل کو موہ لیتی ہے۔ دریائے کاویری کا پانی یہاں سیڑھیوں سے اُتر کر بہت ہی سبک رفتاری سے بہتا ہے۔ یہاں روشنی کا انتظام کچھ ایسا ہے کہ رات کو یہ جگہ بالکل پریوں کا دیس معلوم ہوتی ہے۔ فواروں کے ترشح سے ہَوا خنک ہوتی رہتی ہے۔ رنگ برنگے پھول، مختلف شکلوں میں تراشی ہوئی جھاڑیاں، مخملی گھاس، یہ تمام چیزیں دل و دماغ کو موہ لیتی ہیں۔ ایک وقت تھا جبکہ یہاں ملیریائی بُخار بہت عام تھا، لوگ یہاں آتے ہوئے ڈرتے تھے لیکن آج یہ بہت ہی مشہور بین الاقوامی سیاحتی مرکز ہے۔ آج کل ہر بند کے قریب ایک خوب صورت باغ ہوتا ہے۔ برندابن کا باغ ہی اس سلسلے کی سب سے پہلی کڑی ہے۔

ریاست میسور میں کنّام باڑی کا بند سب سے پہلا اور سب سے زیادہ عظیم الشان ہے۔ تامل ناڈو میں بھی کاویری پر بہت سے بند ہیں۔ ان کے علاوہ تین انی کٹ (آب پاشی کے لیے چھوٹے بند)، گرانڈ انی کٹ، اپر انی کٹ اور لوور انی کٹ بھی ہیں۔ لوور انی کٹ دراصل دریائے کاویری کی شاخ کول رُن پر ہے جس کی حیثیت کم و بیش ایک علیٰحدہ دریا کی ہے۔ ان سب کے علاوہ میٹور ڈیم ہے۔ یہ بند سیتا اور پالا پہاڑوں کو ایک وادی پر سے گزرتا ہوا ملاتا ہے۔ یہ وادی گرانڈ انی کٹ سے کافی دُوری پر ہے اور دریائے کاویری کا پانی اسی وادی سے ہوتا ہوا گرانڈ انی کٹ پہنچتا ہے۔ یہ بند ہندوستان کی آزادی سے بیس برس قبل تعمیر کیا گیا تھا۔

دریائے کاویری کے راستے میں دو بڑے اور بہت سے چھوٹے چھوٹے آبشار ہیں۔ ان میں ہی ایک سیوا سمدرم آبشار ریاست میسور میں ہے اور جو ہمارے لیے کاویری کا خوب صورت ترین تحفہ ہے۔ یہاں نوّے میٹر بلند پہاڑی سے پانی ایک گڑھے میں گرتا

ہے اور یہاں بہتا ہوا پانی پگھلی ہوئی چاندی معلوم ہوتا ہے۔ اس چاندی کے آبشار میں سُورج کی کرنیں قوس قزح کے رنگ گھولتی ہیں۔ یہ منظر اتنا دل کش ہوتا ہے کہ گھنٹوں دیکھنے کے بعد آپ بالکل نہیں اُکتائیں گے۔

دوسرا آبشار اُس جگہ ہے جہاں کاویری ریاست میسور سے نکل کر تامل ناڈو میں داخل ہوتا ہے۔ اس کو 'ہوک ناگل' آبشار کہا جاتا ہے۔ کنڑ زبان میں 'ہوک' کے معنی 'دُھواں' ہیں۔ جب پانی اونچائی سے گر کر زمین پر پڑتا ہے تو اس کی چھینٹیں بہت دُور اور اونچائی تک اُڑتی ہیں اور دُور سے دیکھنے پر یہ دُھواں معلوم ہوتا ہے۔ میٹور بند یہاں سے بہت زیادہ دُور نہیں ہے۔

کسی بھی دریا کا پانی براہ راست آب پاشی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ وہ پانی جو کرشن راجہ ساگر میں اکٹھا کیا جاتا ہے اس سے بہت سی نہروں کے ذریعے ہزاروں ایکڑ زمین سینچی جاتی ہے جہاں اناج، سبزی اور پھل اُگائے جاتے ہیں۔ اس گرتے ہوئے پانی کی قوت سے بجلی بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ اس طریقے پر بجلی پیدا کرنے کو 'ہائڈرو الیکٹرک پراجیکٹ' کہا جاتا ہے۔ سیوا سمدرم آبشار جو ان دو دریاؤں کی مدد سے تخلیق ہوتا ہے جن میں کاویری تقسیم ہوتی ہے، ایک کافی اونچی پہاڑی پر سے گرتا ہے اور اس سے بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سیوا سمدرم ہی ہندوستان کا سب سے پہلا ہائڈرو الیکٹرک پراجیکٹ ہے۔ یہاں پیدا کی جانے والی بجلی نے میسور کے ہزاروں چھوٹے چھوٹے گاؤوں کو منوّر کر دیا ہے۔ اس کی بدولت ریاست میں ملیں اور فیکٹریاں چلتی ہیں۔ اس ہی کی بجلی کی مدد سے کولار کے سونے کے کانوں میں مشینیں چلائی جاتی ہیں اور اس ہی کی مدد سے بھدراوتی اسٹیل پلانٹ، بہت سی شوگر فیکٹریاں، سُوتی اور ریشمی کپڑوں کی ملیں چلتی ہیں۔

میٹور کے مخزن کا پانی دو طریقوں سے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کا کچھ پانی کرشن راجہ ساگر کی طرح آب پاشی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور بقیہ پانی سے سیوا سمدرم کی طرح بجلی پیدا کی جاتی ہے۔ اس کے برعکس ہوک ناگل آبشار محض ایک خوب صورت آبشار ہے ـــــ دیکھنے والے کے لیے قدرت کا ایک حسین تحفہ۔

ہم نے دیکھا کہ راستے میں کاویری سے کتنے ہی دریا ملتے ہیں اور کبھی کبھی یہ خود دو دریاؤں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ اپنے تمام سفر میں کاویری تین جگہ دو حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے اور پھر کچھ کلومیٹر بہہ کر یہ دونوں شاخیں مل جاتی ہیں۔ جہاں کہیں بھی ایسا ہوتا ہے وہ ارضی حصّہ ہر طرف سے پانی سے گھر جاتا ہے اور اس طرح ایک جزیرہ تخلیق ہوتا ہے۔

اس قسم کا سب سے پہلا جزیرہ ریاست میسور میں دریائے کاویری پر واقع ہے جہاں یہ دریا دو شاخوں میں تقسیم ہو کر تیرہ کلومیٹر بہتا ہے اور پھر ایک

سیوا سمدرم آبشار

ہوجاتا ہے ۔۔۔ یہی جزیرہ سری رنگاپٹنم کہلاتا ہے۔ ایک زمانے میں یہ میسور کے راجاؤں کی راجدھانی تھا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں ٹیپو سُلطان اور انگریزوں کے درمیان جنگ ہوئی تھی اور اسی لڑائی میں ٹیپو سُلطان مارا گیا تھا۔ قصبے سے چند کلومیٹر کی دُوری پر پرندوں کی مشہور جائے پناہ ہے جس کو دیکھنے کے لیے مُلک کے کونے کونے سے پرندوں کے شائقین آتے ہیں۔ یہاں جون کے مہینے میں مختلف اقسام کے پرندے اور سارس وغیرہ اُڑتے پھرتے ہیں اور جولائی اور اگست کے مہینوں میں یہاں گھونسلے بناتے ہیں۔

سری رنگاپٹنم سے آگے چل کر کچھ دُوری پر بہت سے چشمے اور چھوٹے چھوٹے دریا کاویری سے مل کر اس کو ایک بہت ہی عظیم اور لمبے چوڑے دریا میں تبدیل کر دیتے ہیں لیکن یہاں سے کچھ آگے چل کر یہ دریا اونچائی

ٹیپو کا مقبرہ

پر بہتا ہوا دو شاخوں میں تقسیم ہوجاتا ہے۔ پھر کچھ ہی دُور بہہ کر یہ دونوں شاخیں ایک ہوکر ایک پہاڑی پر سے نیچے گرتی ہیں۔ اس آبشار کو ہی

سیوا سمدرم آبشار کہا جاتا ہے۔ لیکن کاویری کی یہ دونوں شاخیں سیوا سمدرم آبشار کی صورت میں ملنے سے پہلے پانچ کلومیٹر تک علیٰحدہ علیٰحدہ بہتی ہیں اور اس طرح کاویری پر دوسرا جزیرہ نمودار ہوتا ہے۔ سیوا سمدرم کا زیادہ تر علاقہ جنگلات سے بھرا پڑا ہے جہاں لاتعداد چرند و پرند پناہ گزیں ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں کے قدرتی مناظر بھی قابلِ دید ہوتے ہیں۔

اس سلسلے کا تیسرا جزیرہ تامل ناڈو میں ہے۔ یہ کاویری کی شاخ کول رَن کی تخلیق ہے۔ جو اس سے جُدا ہوکر تقریباً ۴۳ کلومیٹر تک علیٰحدہ بہہ کر اصل دریا سے مل جاتی ہے۔ اس جزیرے پر مشہور تیرتھ استھان سری رنگم ہے۔

پرندوں کی جائے پناہ

کاویری کے کناروں پر بہت سی زیارت گاہیں اور مندر ہیں۔ یہ جگہیں بلاشبہ مقدس ہیں لیکن درحقیقت یہ دریا ہی میسور اور تامل ناڈو کے لیے سب سے زیادہ اہم ہے۔ اس دریا کی عنایتوں کا نظارہ اس کے کناروں پر سینکڑوں میلوں تک پھیلے ہوئے ہرے بھرے کھیتوں کی صورت میں کیا جا سکتا ہے۔ یہاں کیلا، گنّا اور دوسرے قسم کے درختوں کی قطاریں دیکھی جا سکتی ہیں۔ دریائے کاویری کے پانی نے میسور کے گاووں اور تامل ناڈو میں تنجور ضلع کو جنوبی ہندوستان کے لیے اناج کا مخزن بنا دیا ہے۔ تمل زبان میں ایک مقبول مثال کہی جاتی ہے کہ ضلع تنجور کے اناج کا ہر دانہ سونے کے برابر اہمیت رکھتا ہے —— اور یہ سب کاویری ہی کی دین ہے۔

کاویری نے اپنے کناروں پر آباد تمام قصبوں پر اپنی مہر لگا دی ہے، ان میں سے ہر قصبہ کاویری کے بارے میں مختلف قصے کہانیاں سُناتا ہے۔ ان سب کا یہاں بیان کرنا ناممکن ہے —— دریا سے متعلق تہواروں پر ہی کافی موٹی کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ یہاں ہم دو تہواروں کا ذکر کرتے ہیں۔ تامل ناڈو کے مرکزی حصّے میں ایک قصبہ کمبا کونم ہے۔ یہاں ہر بارہ برس میں ایک مرتبہ ایک تہوار منایا جاتا ہے۔ اس کو 'مہاما کھم' کہتے ہیں۔ یہ میلہ جنوبی ہندوستان میں اتنا ہی مشہور اور اہم ہے جتنا کہ شمالی ہندوستان میں تری وینی سنگم ہے۔ اس دن لوگ ہزاروں کی تعداد میں کمبا کونم آتے ہیں اور قصبے کے تالاب میں نہانے کے بعد دریائے کاویری میں غوطہ لگاتے ہیں۔

ایک دوسرا قصبہ میورم ہے۔ یہ دریائے کاویری کے اختتام پر ایک بہت ہی خوب صورت قصبہ ہے۔ میورم اپنے خوب صورت موروں کے لیے بہت مشہور ہے جو یہاں ہرے ہرے کھیتوں اور سایے دار درختوں کے جھنڈ کے نیچے گھومتے پھرتے ہیں اور قدرتی خوب صورتی میں اور بھی زیادہ اضافہ کرتے ہیں۔ لوگ

اس قصبے کو 'مویل آڈوتھورے'، یعنی ناچنے والے موروں کا کنارہ بھی کہتے ہیں۔

تروویارؤ قصبے کے ذکر کے بغیر کاویری کی کہانی نامکمل رہے گی۔ یہ قصبہ اس مقام پر واقع ہے جہاں چار چھوٹے چھوٹے دریا، دریائے کاویری سے ملتے ہیں۔ یہاں کے مندر کا دیوتا 'ایّاراپن' کہلاتا ہے جس کے معنی پانچ دریاؤں کا خدا ہے لیکن یہ قصبہ دراصل تیاگ راجہ کی جائے پیدائش ہونے کی وجہ سے مشہور ہے۔ سوامی تیاگ راجہ کرناٹک موسیقی کا بانی ہے۔

دریائے گوداوری

جنوبی ہندوستان کے زیادہ تر دریاؤں کا رُخ مغرب سے مشرق کی طرف ہے۔ یہ دریا مغربی گھاٹ کے پہاڑی سلسلوں میں جنم لے کر خلیج بنگال کی طرف بہتے ہیں۔ دریائے کاویری بھی مغربی گھاٹ کے برہم گری سلسلے سے نکلتا ہے۔ دریائے گوداوری جنوبی ہندوستان کا مشرقی رُخ بہنے والا سب سے لمبا دریا ہے جو مغربی گھاٹ کے شمالی حصے سے نکلتا ہے۔ کاویری کی طرح گوداوری بھی جو کاویری سے دوگنا لمبا ہے، بحرِ عرب کے حیطہ نظر سے نکل کر مشرقی رُخ بہتا ہوا خلیج بنگال سے جا ملتا ہے۔

دریائے گوداوری کو 'دکنی گنگا'، یعنی جنوبی ہندوستان کی گنگا کہا جاتا ہے اور اس دریا کو مقدس بھی تصوّر کیا جاتا ہے کیوں کہ اس کا ذکر ہندوؤں کی مقدس کتاب رامائن میں ملتا ہے۔ اس دریا کے ہر موڑ، ہر گھاٹی اور ہر پہاڑی کے بارے میں متعدد کہانیاں مشہور ہیں۔ یہ ضرور ہے کہ یہ کہانیاں راجہ رام کی طول طویل کہانی میں مختصر طور پر بیان کی گئی ہیں۔ اس دریا کے کناروں پر آباد متعدد قصبے، جنگلات اور گاؤوں کے باشندوں کا یہ دعویٰ ہے کہ رام، ان کا بھائی لکشمن اور ان کی بیوی سیتا یہاں سے گزرے ہیں یا پھر یہاں کچھ عرصے قیام کیا ہے۔

مثال کے طور پر 'پنچ وٹی'، جو ناسک کے قریب ایک جگہ ہے۔ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ وہی پنچ وٹی ہے جس کا ذکر بالمیکی کی رامائن میں ملتا ہے۔ اس ذکر کے مطابق رام نے ایودھیا چھوڑنے کے بعد اپنے بھائی لکشمن اور بیوی کے ساتھ یہاں کچھ عرصے قیام کیا تھا۔

ایک عقیدے کے مطابق یہی وہ جگہ ہے جہاں لکشمن نے لنکا کے راجہ راون کی بہن سروپ نکھا کی ناک کاٹی تھی ـــــــ جو ایودھیا کے تخت کے وارث حسین وجمیل رام کو دیکھنے یہاں آئی تھی اور اس کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی۔ کہانی میں بتایا گیا ہے کہ اس کی گستاخ پیش قدمی کو دیکھ کر لکشمن کو بہت غصّہ آیا اور اس نے اس کی ناک کاٹ لی۔
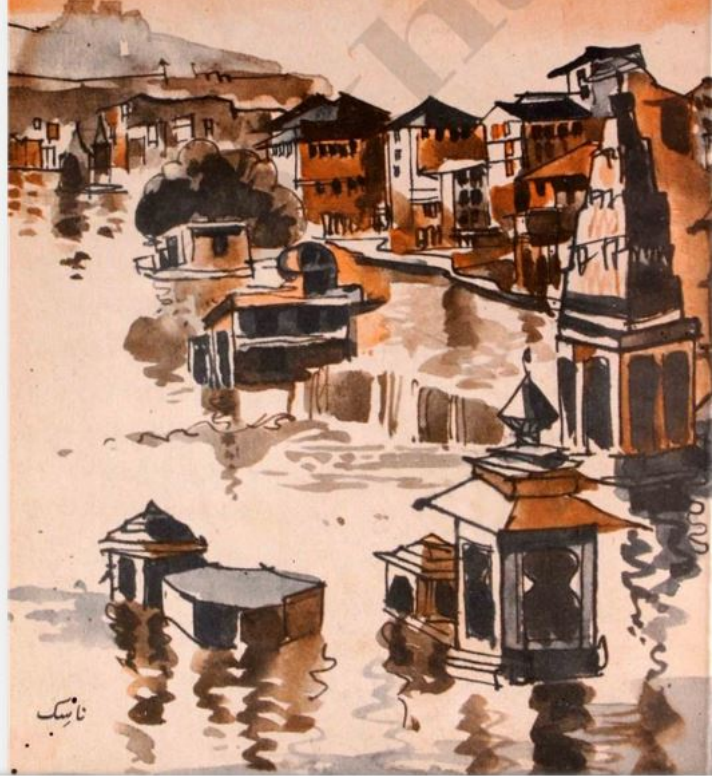
ناسک

کہا جاتا ہے کہ رام اور لکشمن نے اپنے والد راجہ دشرتھ کی موت کی خبر سن کر گوداوری میں ہی رسمی غسل کیا تھا۔ ہندوؤں میں یہ رسم ہے کہ اگر ان کا کوئی قریبی عزیز گزر جاتا ہے تو وہ نہا دھو کر اپنے کو پاک کرتے ہیں۔ ناسِک کے قریب بہتی ہوئی گوداوری میں ہی مہاتما گاندھی نے انگلینڈ سے لوٹنے پر اپنی ماں کی موت کی خبر سن کر غسل کیا تھا۔

کاویری کی طرح گوداوری سے بھی راستے میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا ملتے ہیں۔ سب سے پہلے اس سے 'پرن ہیت' ملتا ہے جو مہاراشٹر سے نکلتا ہے۔ اس کے بعد اندراوتی اور سابری (ایک اور نام جس کا ذکر رام کی کہانی میں ملتا ہے) گوداوری سے ملتے ہیں۔ یہ اور بہت سے دوسرے چھوٹے بڑے دریا گوداوری سے مل کر اس کو چار کلومیٹر چوڑا کر دیتے ہیں لیکن یہ چوڑائی گوداوری کے طول طویل سفر میں یکساں طور پر قایم نہیں رہتی۔ مشرقی گھاٹ کی طرف بہتا ہوا یہ دریا کہیں کہیں بہت تنگ اور معمولی نظر آتا ہے۔ راجہ مندری کے مقام پر (جس کا اصلی نام راجہ مہندراورم ہے) گوداوری ایک مرتبہ پھر بہت ہی لمبے چوڑے اور زبردست دریا کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ راجہ مندری میں گوداوری کے آر پار ریلوے کا عظیم الشان پُل اسی دریا کی زبردست لمبائی چوڑائی کا ثبوت ہے۔ یہ پُل ہندوستان کا دوسرا سب سے بڑا پُل کہا جاتا ہے جو ۵۶ پُشتوں پر قایم ہے!

راجہ مندری کے اس طول طویل قصبے کی اپنی ایک تاریخ ہے۔ یہ بہت سے خاندانوں کے عروج و زوال کا شاہد ہے۔ ہر بارہ برس میں یہاں ایک میلہ لگتا ہے جس کو پُش کرم کا میلہ کہتے ہیں۔ یہاں اس موقع پر پریاگ کے کنبھ اور کمبا کونم کے مہاماکھم کی طرح لوگ ہزاروں کی تعداد میں اکٹھا ہوتے ہیں۔ گوداوری کے کناروں پر بنے ہوئے مندر 'مارکن دیا' اور 'کوٹی لنگے سُورا' دیوتاؤں سے منسوب ہیں اور یہاں معتقدین کا کثیر اژدھام رہتا ہے۔ راجہ مندری بہت سے ممتاز شعراء، مضامین نگار،

ناول اور ڈرامہ نویسوں کا وطن رہا ہے۔ گیارھویں صدی کا مشہور شاعر ننّیا اور موجودہ تلگو نثر کا بانی ویر سالنگم پنتولو یہیں پیدا ہوئے اور پلے بڑھے۔ آج بھی یہ جگہ علم و دانش کا اہم مرکز ہے۔

راجہ مندری کے راستے میں گوداوری کے کنارے ایک اور قصبہ آباد ہے جس کا ذکر رام کی کہانی میں ملتا ہے۔ اس قصبے کا نام 'بھدراچلم' ہے۔ یہ کہنا بجا ہوگا کہ یہ قصبہ گوداوری کے تہذیب و ثقافت کے ہر پہلو کی صحیح عکّاسی کرتا ہے۔ یہاں ایک پہاڑی کی چوٹی پر رام کا مندر ہے جسے رام کے مندروں میں سب سے پہلا مندر کہا جاتا ہے۔ ایک کہانی کے مطابق بھدراچلم سے تقریباً تیس میل دُور 'پرناشالا' کے مقام سے لنکا کے راجہ راون نے سیتا کو اغوا کیا تھا اور یہی وہ جگہ ہے جہاں سے رام اور لکشمن نے لنکا کو جاتے ہوئے دریائے گوداوری کو پار کیا تھا۔

بھدراچلم اس سے بھی زیادہ رام کے معتقد رام داس کے لیے مشہور ہے جس کے گیت مُلک کے کونے کونے میں کبیر اور میرا کے دوہوں کی طرح زبان زد خاص و عام ہیں۔ رام داس کی کہانی ایک سچی کہانی ہے۔ رام داس کا تعلق قصّے کہانیوں سے نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق تاریخ سے ہے۔ اس کا اصلی نام رام داس نہیں تھا۔ اس کا نام گوپنّا تھا اور وہ ایک تحصیل دار تھا۔

یہ قصّہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اس قصبے کی ایک بوڑھی عورت تمّا اکّا نے خواب دیکھا کہ جنگل میں گھرے پہاڑ کی چوٹی پر تین بُت رکھے ہیں۔ وہ اس خواب سے اتنا متاثر ہوئی کہ اگلی ہی صُبح اپنی لڑکی کو لے کر وہ اس پہاڑی پر گئی۔ یہ راستہ بہت ہی دُشوار گزار اور جنگلی کانٹے دار جھاڑیوں سے بھرا پڑا تھا۔ بہ مشکل تمام وہ اس

پہاڑی کی چوٹی پر پہنچی اور یہ دیکھ کر اس کو بہت حیرت ہوئی کہ اس کی خواب میں دیکھی ہوئی جگہ پر رام، سیتا اور لکشمن کی مُورتیاں رکھی ہوئی تھیں۔ خوشی اور عقیدت کے جذبے کے تحت اس نے اپنی استطاعت کے مطابق وہ جگہ صاف سُتھری کر کے چھت کے طور پر ایک چھپّر ڈال دیا تاکہ یہ بُت دھوپ اور بارش سے محفوظ رہ سکیں۔ اب ہر روز یہ بُڑھیا پُوجا کرنے کے لیے اس مندر میں آنے لگی۔ جلد ہی قصبے کے لوگ اس بُڑھیا اور اس کی مسلسل پہاڑی کی زیارت کے بارے میں بات چیت کرنے لگے۔ انھیں بڑی حیرت تھی کہ وہ پہاڑی پر کیا کرنے جاتی ہے، تب اس نے لوگوں کو بتایا کہ وہ وہاں ایک مندر کی زیارت کرنے جاتی ہے ـــــ یہ جواب سُن کر وہ بہت ہنسے کیوں کہ ظاہراً یہ تمام پہاڑی صرف جنگلات سے پٹی پڑی تھی۔ بھلا وہاں مندر کا کیا کام؟

جلد ہی تمّا اکّا اور اس کے مندر کی کہانی کی بھنک تحصیل دار گوپنّا کے کان میں پڑی۔ اس نے اس بُڑھیا کی کہانی کی صداقت کو تسلیم کر لیا اور خود وہاں جا کر اس مندر کی زیارت کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے اس مندر کو بالکل اسی جگہ پایا جیسا کہ بُڑھیا نے کہا تھا ـــــ ایک چھپّر کے نیچے بالکل صاف سُتھری جگہ پر تین مورتیاں رکھی تھیں۔ جیسے جیسے گوپنّا نے ان مورتیوں کو غور سے دیکھا۔ اس نے خود میں ایک عجیب قسم کی تبدیلی محسوس کی۔ وہ مورتیوں پر سے اپنی نظر نہیں ہٹا سکا اور وہ بے انتہا خوشی کے جذبے کے تحت اپنے پورے وجود سے کانپنے لگا۔ اس کو ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس کی تمام زندگی کا سفر اس لمحے اس پہاڑی پر پہنچنے کے لیے ہی تھا۔

گوپنّا نے مستقل طور پر وہاں ہی اپنا ڈیرہ ڈال دیا اور ان مورتیوں کے لیے پتھروں کا ایک مندر تعمیر کیا۔ وہ یہاں ان مُورتیوں کی پُوجا کرتا تھا اور شاعری اور گیت اس کے ہونٹوں سے بہنے لگے تھے۔ جلد ہی بھدراچلم کے لوگ گوپنّا اور اس کے مندر کو دیکھنے کے لیے دُشوار گزار راستہ طے کر کے پہاڑی کی چوٹی پر آنے لگے اور

اسے بھدراچلم رام داس کے نام سے پکارنے لگے۔ یہ نام تمام آندھرا پردیش میں بہت مقبول ہے اور اس کا ذکر گیتوں اور کہانیوں میں بہت کثرت سے کیا گیا ہے۔

یہ قدیم گاؤں بھدراچلم اب ایک قصبے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ پہاڑ کی چوٹی کی حالت بھی بالکل بدل گئی ہے۔ اب یہاں رام داس کے بنائے ہوئے مندر

مندر. بھدراچلم

کے علاوہ چوبیس مندر اور بھی ہیں جن میں تماناگا کی دریافت شدہ مُورتیاں رکھی ہوئی ہیں۔ ان مندروں تک پہنچنے کے لیے موٹر بوٹ کے ذریعے دریائے گوداوری کو پار کر کے ایک گھنے جنگل سے گزرنا پڑتا ہے۔

پہلے گوداوری کے پانی کو مکمل طور پر صحیح استعمال میں نہیں لایا جاتا تھا اور اس کا بہت سا پانی سمندر میں مل جاتا تھا۔ اس علاقے میں اکثر سُوکھا پڑتا رہتا تھا۔ ایک برطانوی افسر سر آرتھر کاٹن نے تجویز پیش کی کہ اگر دھوال ایشورم کے مقام دریا پر بند تعمیر کر دیا جائے تو نہروں کے ذریعے اس پانی سے زمین کی سینچائی کی جا سکتی ہے اور اس طرح قحط سے نجات حاصل کی جا سکتی ہے۔ ان کی کوششوں کے نتیجے میں ۱۸۴۵ء میں اس بند کی تعمیر کا کام شروع کیا گیا اور دو سال کی مدت میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہاں تین لمبی چوڑی نہریں بھی کھود دی گئیں۔ ان ہی کی وجہ سے ضلع گوداوری مُلک میں سب سے زیادہ زرخیز علاقہ ہو گیا ہے۔

جنوبی ہندوستان میں سر آرتھر کاٹن کو بہت عزّت کے ساتھ یاد کیا جاتا ہے۔ وہ سترہ سال کی عُمر میں انگلینڈ سے ہندوستان آئے تھے۔ وہ شعبہ آب پاشی میں ملازم تھے۔ جب انھوں نے کاویری پر چولا راجاؤں کے بنائے ہوئے بند (اُسٹون انی کٹ' یعنی سنگی سد) کو دیکھا تو بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے اس کی مرمّت کی اور اس کی خامیوں کو دُور کر کے کاویری کے دونوں کناروں کی زمین کو سینچنے کے لیے مزید سہولیات مہیّا کیں۔ اس کے علاوہ کاویری پر ایک دوسرا بند 'میلانے'، یعنی اپرانی کٹ کی تعمیر کا سہرا بھی ان ہی کے سر ہے۔

وجے واڑہ کے قریب دریائے کرشنا پر بھی انھی سر آرتھر کاٹن نے بند تعمیر کیا۔ انھوں نے نہ صرف بند تعمیر کیا بلکہ چند نہریں بھی بنوائیں جن کے ذریعے ان جھیلوں اور تالابوں تک پانی لے جایا گیا جن سے سینچائی کا کام لیا جاتا تھا۔

پچھلے ۱۲۰ سالوں سے بھی زیادہ عرصے سے دھوال ایشورم کے مقام پر گوداوری

کا بند اس علاقے کے لیے بہت مفید ثابت ہو رہا ہے لیکن اب یہ بہت قدیم اور بوسیدہ معلوم ہونے لگا ہے۔ دھوال ایشورم سے تقریباً ۶۴ کلومیٹر ہٹ کر ایک نیا بند تعمیر کرنے کی تجویز ہے۔ اس بند کا سنگِ بنیاد اپریل ۱۹۷۰ء میں رکھا گیا۔ اس بند کو سر آرتھر کاٹن کے نام پر یاد کیا جائے گا جنھوں نے قدیم بند تعمیر کیا اور جو کہ ہندوستان میں فنِ آب پاشی کے بانی مبانیوں میں سے ہیں۔

دھوال ایشورم سے گزر کر گوداوری دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتی ہے۔ اس کی مشرقی شاخ کو 'گوتمی گوداوری' کہا جاتا ہے اور مغربی شاخ کو 'وشسٹھ گوداوری'۔ ان دونوں کے درمیان میں ایک شاخ اور ہے جو 'وشنو گوداوری' کہلاتی ہے۔ ان تینوں شاخوں کی وجہ سے اس علاقے نے جہاں یہ سمندر سے ملتی ہیں ایک ڈیلٹا کی شکل اختیار کر لی ہے۔ گوتمی گوداوری اینام کے مقام پر سمندر سے ملتی ہے، وشسٹھ گوداوری نرساپور پر اور وشنو گوداوری ناگرا پر۔

وہ ڈیلٹائی علاقے جہاں دریا سمندر سے ملتے ہیں، بہت ہی زرخیز ہوتے ہیں۔ ایسے علاقوں میں زمین کے حصول کے لیے زبردست مقابلہ رہتا ہے۔ ایک زمانے میں گوداوری کے ڈیلٹائی علاقوں نے ڈچ، فرانسیسی اور انگریزوں کی توجّہ اپنی طرف مبذول کر لی۔ ان تینوں قوموں نے یہاں رہائش اختیار کی اور یہاں اپنی تجارت اور کمپنیاں قایم کیں۔

وہ علاقہ جہاں گوداوری سمندر سے ملتی ہے اور جس کو اینام کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، وہاں آج بھی فرانسیسی استعمار کی چند نشانیاں ملتی ہیں۔

گوداوری ایک بہت ہی مفید دریائی راستہ بھی ہے۔ یہاں دریائی

ٹریفک بھی بہت کثرت سے ہے۔ درختوں کو بجائے اس کے کہ کشتیوں میں یا خشکی کے راستے لاریوں میں دوسری جگہ لے جایا جائے پانی کے راستے بہا دیا جاتا ہے۔ گوداوری کے دونوں کناروں پر ساگون اور بانس کے گھنے جنگلات ہیں۔

کرشنا

جنوبی ہندوستان کا دوسرا سب سے بڑا دریا کرشنا ہے۔ یہ اندرونِ ملک مشرقی رُخ بہتا ہے اور یہ بھی مہاراشٹر میں مغربی گھاٹ سے نکلتا ہے۔ اس کا منبع سطحِ سمندر سے تقریباً ۱۴۰۰ میٹر بلند مہابلیشور میں ہے۔ یہ بمبئی سے ۱۴۵ کلومیٹر جنوب مشرق کی طرف ہے اور بحرِ عرب سے ۶۰ کلومیٹر دُور ایک ایسے علاقے میں ہے جہاں بارش بہت کثرت سے ہوتی ہے۔

گوداوری اور کاویری کی طرح کرشنا بھی ایک ایسے چشمے سے نکلتا ہے جو کبھی خشک نہیں ہوتا۔ وہ پہاڑی جہاں سے یہ چشمہ شروع ہوا ہے گائے کے سر کی شکل میں ہے اور اس سے نکلتا ہوا پانی ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یہ گائے کے مُنہ سے نکل رہا ہو۔ یہ پانی ایک چھوٹے سے تالاب میں گرتا ہے۔

کرشنا اور گوداوری صرف دریا ہی نہیں ہیں بلکہ انھیں دریاؤں کے سلسلے کہا جاتا ہے۔ کاویری ایک دریا ہے — ایک بہت ہی خوب صورت لمبا، پُر وقار اور محبوب دریا اور صرف ایک ہی دریا ہے۔ دوسرے چھوٹے دریا اس سے راستے میں ضرور ملتے ہیں لیکن یہ دریا صرف بڑے چشموں جیسے ہیں لیکن جہاں تک کرشنا اور گوداوری کا تعلق ہے یہ متعدد بڑے بڑے دریاؤں سے مرکّب ہیں۔ کرشنا سے تقریباً دس بڑے دریا ملتے ہیں جن میں سے دو تو اتنے بڑے ہیں کہ خود ان میں بہت سے چھوٹے چھوٹے دریا آملتے ہیں۔

وہ دو بڑے دریا جو کرشنا سے ملتے ہیں 'بھیما' اور 'تُنگ بھدرا' ہیں۔ جہاں کرشنا مہاراشٹر چھوڑ کر آندھرا پردیش میں داخل ہوتا ہے وہاں دریائے بھیما اس سے ملتا ہے۔ دوسرا سب سے زیادہ اہم اور لمبا دریا تنگ بھدرا بھی کرشنا سے آندھرا پردیش میں کرنُول کے مقام پر ملتا ہے۔ کرشنا سے ملنے والا ایک تیسرا دریا 'مُوسی' جنوبی حیدر آباد سے شروع ہو کر جنوب کی طرف بہتا ہے۔ یہ دریائے مُوسی تاریخی طور پر گول کُنڈا کے قلعے سے منسوب ہے جو کہ سولھویں اور سترھویں صدیوں میں ہیروں کے لیے مشہور تھا۔

ہندوستان کے دوسرے دریاؤں کی طرح کرشنا کے دونوں کناروں پر بھی بہت سے تیرتھ استھان ہیں۔ ان میں سب سے زیادہ اہم سری سیلم ہے جو آندھرا پردیش کے ضلع کرنُول کے ایک پلیٹو پر واقع ہے۔ اس پلیٹو کے نیچے ایک بہت ہی گہری وادی ہے جہاں کرشنا بہتا ہے۔ مختصر یہ کہ سری سیلم ایک بہت ہی خوب صورت علاقے میں واقع ہے۔

یہاں مَلِک ارجن کا قدیم مندر اپنی سنگ تراشی، منبت کاری اور استر کاری کے کاموں کے لیے مشہور ہے جن کے ذریعے رامائن اور مہابھارت کے بہت سے واقعات کو واضح کیا گیا ہے۔ اس مندر کی پہاڑی پر مشرقی رُخ تقریباً تین کلومیٹر چلنے کے بعد اگر آپ ایک ہزار سیڑھیاں اُتریں تب کہیں جا کر آپ اس دریا کو بہتا ہوا دیکھ سکتے ہیں۔ یہاں اس دریا کو 'پاتال گنگا' یعنی نیچے بہنے والی گنگا کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مندر کے ریکارڈ دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ سیڑھیاں

صدیوں پہلے کُنڈا ویڑُو کے رہنے والے ایک ریڈی نے پندرھویں اور سولھویں مہاشوراتری کے موقعوں پر بنوائی تھیں۔ یہ میلہ سردی کے اختتام پر منایا جاتا ہے اور اس مندر میں اس کی بہت اہمیت ہے۔ اس دِن یہاں لوگ ہزاروں کی تعداد میں اکٹھا ہوتے ہیں اور پاتال گنگا میں اشنان کرنے کے بعد مُلِک ارجن کے درشن کے لیے مندر جاتے ہیں۔

اس مندر میں ہر شخص داخل ہو سکتا ہے۔ یہاں ذات پات کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ عورتیں اور مرد سب پُوجا کے لیے مندر کے اندرونی حصّے میں جا سکتے ہیں معتقدین پاتال گنگا سے پانی لاکر خود اپنے ہاتھوں سے ان بُتوں کو اشنان کرا سکتے ہیں۔ یہ سب بہت زیادہ غیر معمولی مراعات معلوم ہوتی ہیں۔ اس کے پیچھے ایک کہانی ہے۔ یہاں چین چُس نامی ایک قبیلہ آباد تھا۔ کہا جاتا ہے کہ بھگوان شیو نے ان میں سے ایک لڑکی لکشمی سے شادی کی۔ یہی وجہ ہے کہ اس قبیلے کے لوگوں کو مندر میں داخل ہونے کی آزادی ہے۔ چین چُس قبیلے کی لڑکی لکشمی کے بارے میں بہت سے گیت لکھے گئے ہیں۔

آٹھویں صدی میں ایک مشہور فلسفی آدی شنکر جس نے تمام مُلک کا دورہ کیا، سری سیلم بھی آیا اور یہاں کچھ عرصے قیام کیا۔ وہ ہر روز پاتال گنگا میں اشنان کیا کرتا تھا اور اس کے وہ گیت جو وہ مُلِک ارجن اور اس کی خوب صورت رانی کے بارے میں گایا کرتا تھا ہندوستانی مذہبی شاعری میں بہت اہمیت رکھتے ہیں۔

رائے چُور کے قریب کرشنا گھاٹوں سے اُترتا ہے۔ محض پانچ کلومیٹر کی لمبائی میں یہ تقریبًا ۱۲۰ میٹر نیچے اُتر آتا ہے۔ بارش کے زمانے میں اس کی پانی کی چیخ چنگھاڑ میلوں دُور سے سُنی جا سکتی ہے۔ یہاں سے یہ دریا پہاڑی علاقے میں سے گزرتا ہوا وجے واڑہ کے مشرق میں بہتا ہے۔ چند کلومیٹر چل کر وجے واڑہ کے جنوب میں کرشنا کا ڈیلٹائی علاقہ شروع ہو جاتا ہے۔

اس دریا پر سب سے پہلا بند ۱۸۵۵ء میں وجے واڑہ کے باہر اس جگہ پر تعمیر
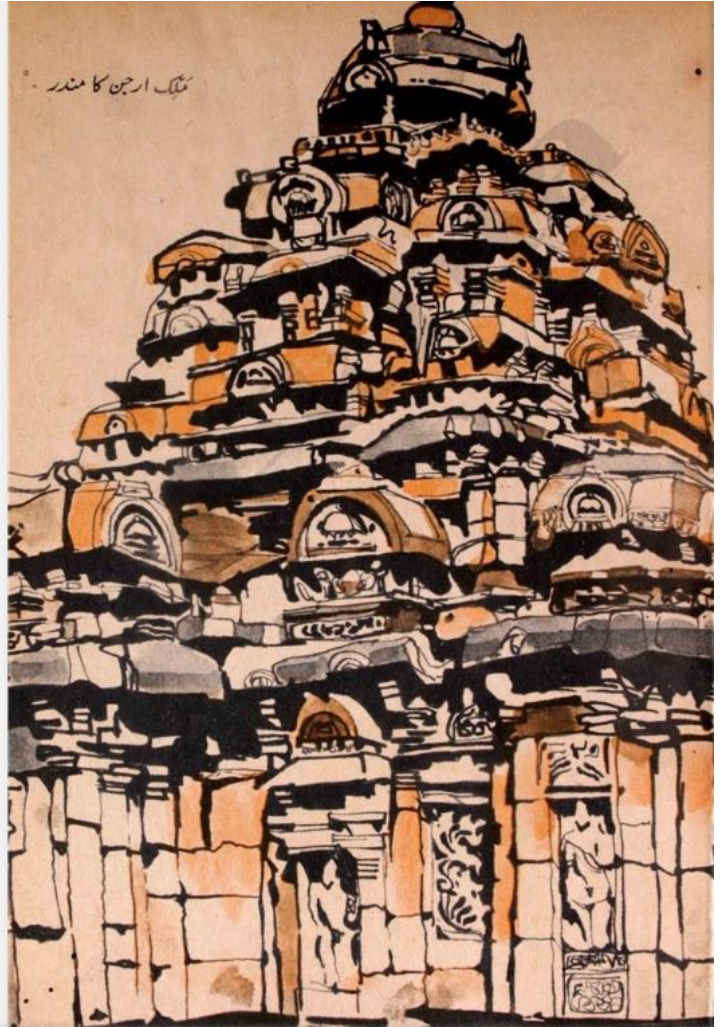
کیا گیا جہاں یہ دو پہاڑوں کے درمیان بہتا ہے جن کا درمیانی فاصلہ ایک کلومیٹر ہے۔ یہ بند ۱۱۴۰ میٹر لمبا ہے اور دریائی سطح سے اس کی اونچائی ۶ میٹر ہے۔ اس بند کے ذریعے دریا کا پانی روک کر متعدد نہروں کی مدد سے اِردگرد کی زمین کی سینچائی کی جاتی ہے۔

اس بند کے پاس پہنچنے تک کرشنا بہت تیز رفتاری سے پہاڑیوں اور پہاڑوں پر بہتا ہے لہٰذا یہاں کشتی رانی نہیں کی جا سکتی لیکن وجے واڑہ سے آتر کر اس میں چھوٹی چھوٹی کشتیوں کے ذریعے مچھلی کا شکار کھیلا جاتا ہے۔

وجے واڑہ کا قصبہ پہاڑیوں سے گھرا ہوا ہے۔ قصّے کہانیوں میں کہا جاتا ہے کہ ارجن نے کفّارہ کی ادائیگی اور بھگوان شیو کی پُوجا کرنے کے لیے انھیں پہاڑیوں میں قیام کیا تھا۔ اس کی اس قدر عقیدت اور بندگی سے متاثر ہو کر شیو نے اسے ایک ایسا ہتھیار عطا کیا تھا جس کی وجہ سے اسے کوئی زیر نہیں کر سکتا تھا۔ موجودہ وجے واڑہ آندھرا پردیش کا ایک اہم ثقافتی اور تجارتی مرکز ہے۔ یہ ایک ریلوے جنکشن بھی ہے۔ یہاں کی زمین کپاس اور دھان کی کاشت کے لیے مناسب ہے۔

ایک زمانے میں اس علاقے میں بُدھ مذہب بہت عام تھا۔ کرشنا کے کناروں پر کچھ آثار ایسے ملتے ہیں جن سے اس مفروضہ کی تصدیق ہوتی ہے۔ امراوتی ایک ایسا ہی قصبہ ہے۔ اس سلسلے میں بتایا جاتا ہے کہ یہاں ایک لافانی قوم —— یعنی وہ لوگ

جنھوں نے موت سے نجات حاصل کر لی تھی —— آباد تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اس قصبے کو امراوتی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ موجودہ امراوتی قصبے کے قریب ہی دھرنی کوٹ (دھنیا کوٹہ کم) بُدھ مذہب کا ایک بہت ہی اہم مرکز تھا۔ یہ ست واہن راجاؤں کا دارالسلطنت تھا —— یہاں اس تہذیب کے اب صرف کھنڈرات ملتے ہیں۔ امراوتی کا برج بالکل سانچی جیسا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ یہ کچھ بڑا ہے۔ یہاں کی بودھی سنگ تراشی بہت مشہور ہے۔ یہ تمام ہُنرمندی اور خوبصورتی کے شاہکار ہیں اور ہمیں ۲۰۰۰ سال پہلے کے تلگو دستکاروں کی یاد دلاتے ہیں۔

بودھی مذہب کا دوسرا اہم مرکز ناگرجوناکنڈ کرشنا کے جنوبی کنارے پر آباد ہے۔ اس قصبے کو ایک عظیم شاعر اور بُدھ مذہب کے مُعلّم ناگرجونا کے نام پر یاد کیا جاتا ہے۔ آزادی کے فوراً بعد حکومتِ ہند یہاں کرشنا پر ایک بند تعمیر کرنا چاہتی تھی۔ جب کھُدائی شروع کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہاں ایک قدیم شہر کے آثار دفن ہیں۔ کچھ عرصے کے لیے کام روک دیا گیا اور حکومت کے محکمۂ آثار قدیمہ نے اس علاقے کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ ان لوگوں نے کھُدائی کر کے معلوم کیا کہ یہاں ایک ایسی تہذیب کے آثار مدفون تھے جو کبھی اس علاقے کی تاریخ کا ایک عظیم باب تھی۔ ناگرجوناکنڈ میں مٹھوں، استوپوں، کتبوں اور یونیورسٹی کے آثار دریافت کیے گئے جو تیسری صدی قبل مسیح میں یہاں قائم تھے۔ یہاں پر زیرِ زمین پانی کی نکاسی کے نالوں، کھُلے قبرستان اور اشنان گھاٹوں کے بھی آثار پائے گئے ہیں۔ آثارِ قدیمہ کی یہ تمام دریافتیں اکٹھا کر کے قریب کی پہاڑی پر عجائب گھر میں نمائش کے لیے رکھی گئی ہیں۔ اس بات کی شہادتیں بھی ملتی ہیں کہ اس زمانے میں سیلون، جاپان، تبّت اور سیام

سے لوگ ناگر جوناکنڈ کی یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے آیا کرتے تھے۔ یہاں کچھ ایسی تاریخی شہادتیں اور حقیقتیں بھی دریافت کی گئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کرشنا کے کناروں پر ایک زمانے میں بہت ہی زبردست تہذیب آباد تھی۔ ایک چینی سیّاح ہیوُن سیانگ نے وجے واڑہ، امراوتی اور ناگر جوناکنڈ کی سیاحت کی اور ان کے بارے میں اپنی یادداشتیں قلم بند کیں۔

قدیم شہر ناگر جوناکنڈ کے قریب دریائے کرشنا پر ایک بہت ہی زبردست بند تعمیر کیا جا رہا ہے۔ یہاں کے زبردست پانی کے خزانے کو "ناگ ارجن ساگر" کہا جاتا ہے۔ یہ بند ہندوستان کا سب سے اونچا اور لمبا بند سمجھا جاتا ہے۔ یہاں کے تجویز شدہ ہائڈرو الیکٹرک پراجیکٹ سے توقع کی جاتی ہے کہ اس سے بارہ لاکھ ٹن دھان، پچاس ہزار ٹن چینی اور چار سو میگا واٹ بجلی پیدا کی جا سکے گی۔ اس سے ہونے والی آمدنی کا تخمینہ ایک سو کروڑ رُوپیہ سالانہ ہے۔

وجے واڑہ سے تقریباً ۶۵ کلومیٹر ہٹ کر کرشنا دو شاخوں میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ ان میں سے جنوبی شاخ اور بھی چھوٹے چھوٹے دریاؤں اور چشموں میں تقسیم ہو جاتی ہے اور کچھ دُور بہہ کر کرشنا مسُولی پٹنم میں سمندر سے مل جاتا ہے۔ اس ڈیلٹائی علاقے میں دیوُو نامی ایک جزیرہ ہے۔ قدیم زمانے میں کرشنا کا پانی پمپ کے ذریعے سے جزیرے میں کھینچ کر زمین کی سینچائی کی جاتی تھی لیکن اب یہاں ایک چھوٹا سا بند باندھ لیا گیا ہے اور اس طرح دریا کا پانی براہِ راست جزیرے کے استعمال میں لایا جا سکتا ہے۔

دریائے تُنگ بھدرا

تُنگ بھدرا کرشنا کے دریائی سلسلے کا ایک حصّہ بھی ہے اور خود اپنے طور پر ایک مستقل دریا بھی۔ ایک مستقل دریا کی صورت میں یہ خود تین بڑے دریاؤں اور تین چھوٹے دریاؤں پر مشتمل ہے۔ اس سلسلے کے دو اہم دریا تُنگا اور بھدرا میسور کے ضلع چک منگلور کے مغربی گھاٹ کے پہاڑی سلسلے کی گنگا مُولا نامی چوٹی سے نکلتے ہیں۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے ۱۲۰۰ میٹر ہے۔ تُنگا شمال مشرقی رُخ سرینگیری سے گزرتا ہے جہاں آدی شنکر نے ایک مٹھ قایم کیا تھا، اس کے بعد یہ تیرتھ ہلی کی خوب صورت پہاڑی گنگاؤں کے درمیان بہتا ہے۔ پھر یہ دریا اس گھاٹی کے جنگلوں، بانس کے جنگلوں اور کافی کے میدانوں میں سے گزرتا ہے۔ اس کے بعد یہ دریا پہاڑی سلسلے کی گہری وادیوں میں بہتا ہوا کڈلی کے مقام پر بھدرا سے مل جاتا ہے۔ یہاں سے یہ تُنگ بھدرا، کے نام سے پُکارا جاتا ہے۔ تین مزید دریا شروَتی، کمدُوتی اور وَردا ریاست میسور میں تُنگ بھدرا سے ملتے ہیں۔ ان کے علاوہ دو دریا ویداوتی اور ہَندری آندھرا پردیش میں اس سے ملتے ہیں۔

وجے نگر کی عظیم سلطنت کی بُنیاد تُنگ بھدرا کے کناروں پر ہی ڈالی گئی۔ اس مملکت کے دارالسلطنت کو 'وجے نگرم' کے نام سے پُکارا گیا؛ اس کا جائے وقوع ریاست میسور کا ضلع بِلاری بتلایا جاتا ہے۔ اس مملکت کے آثار آج بھی اس علاقے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ اپنی عظمت اور دور دورہ کے زمانے میں وجے نگر کے راجاؤں نے چودھویں اور پندرھویں صدیوں میں تُنگ بھدرا پر بہت سے سنگی بند تعمیر کرائے۔ ان میں سے دس آج بھی موجود ہیں۔

تُنگ بھدرا ایک مستقل دریا کی صورت میں ۶۴۵ کلومیٹر بہتا ہے۔ یہ دریا

وجے نگر کے ایک مندر کا اندرونی حصّہ

میسور اور آندھرا پردیش کی ریاستوں کے لیے بہت سُود مند ہے۔ یہ دریا رائلہ سیما اور رائے چُور کے ضلعوں سے گزرتا ہے جہاں قحط اور سُوکھا بہت عام ہے۔ اس علاقے کو ان مصائب سے نجات دلانے کے لیے ہی تُنگ بھدرا پراجیکٹ کا پلان ترتیب دیا گیا۔ اس پلان میں ہاسپٹ کے قریب مُلّاپورم کے مقام پر ایک بند کی تعمیر بھی شامل ہے۔ اس بند کے دروازوں کا ڈیزائن ہندوستانی انجینیروں نے تیّار کیا اور ان کو ایک فیکٹری میں تیّار کیا گیا جو صرف اسی مقصد کے لیے قایم کی گئی تھی۔ یہاں جمع شدہ پانی سے آب پاشی بھی کی جاتی ہے اور بجلی بھی پیدا کی جاتی ہے۔ آندھرا پردیش کے دوسرے علاقوں میں بھی تُنگ بھدرا کے پانی کو سینچائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ دریا سے بہت دُور واقع میدانوں تک پانی پہنچانے کے لیے بہت سی نہریں اور تالاب کھودے گئے ہیں۔ ان میں کُڈپہ کرنُول نہر بہت زیادہ اہم ہے۔ یہ نہر تُنگ بھدرا سے اس مقام پر پھُوٹتی ہے جہاں سے کچھ دُور ہٹ کر یہ کرشنا سے مل جاتا ہے۔

تُنگ بھدرا کا پانی بہت میٹھا کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں یہ مثال کہی جاتی ہے:
'گنگا اشنانم تُنگا انم' —— گنگا میں نہاؤ اور تُنگا کا پانی پیو ——
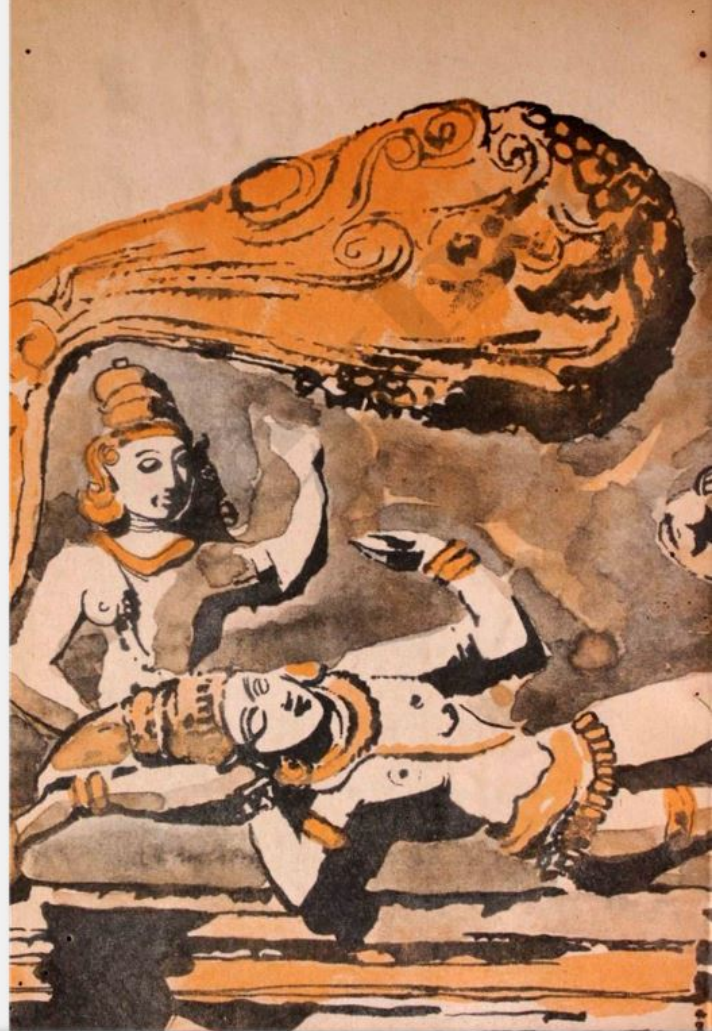
دریائے نرمدا

نرمدا درحقیقت ہندوستان کے مرکزی حصّے میں بہتا ہے۔ یہ مرکزی کوہستانی علاقے کے مشرقی حصّے سے نکلتا ہے۔ یہ مدھیہ پردیش میں بہتا ہوا مہاراشٹر اور گجرات کی سرحدوں کو چھُوتا ہوا گزرتا ہے لیکن عام طور پر اس کو شمالی اور جنوبی ہندوستان کے درمیان سرحدی خط تسلیم کیا جاتا ہے۔ جغرافیائی طور پر اس کا واسطہ شمالی ہندوستان کے مقابلے میں جزیرہ نما ہندوستان کے ساتھ زیادہ ہے۔ نرمدا ان دو اہم دریاؤں میں سے ایک ہے جو مغربی رُخ بہتے ہیں (دوسرا دریا تاپتی ہے) اور جو کہ مرکزی کوہستانی علاقے سے نکلتے ہیں۔ اس دریا کو جنوب میں ہرش وردھن اور شمال میں چالوکی مملکتوں کی سرحد ہونے کا امتیاز حاصل ہے۔ 'مہابھارت' سے پتہ چلتا ہے کہ نرمدا قدیم آونتی مملکت کی جنوبی سرحد تھا۔

مرکزی کوہستانی علاقے کے مائیکل سلسلے کی اَمرکنٹک پہاڑیوں میں اس کا جنم ہوتا ہے۔ نرمدا ان دریاؤں میں سے ایک ہے جن پر ابھی تک کوئی بند تعمیر نہیں کیا گیا کیوں کہ آدمی آج بھی اس پر قابو حاصل نہیں کرسکا ہے۔ یہ بلند پہاڑی سلسلوں، گھنے جنگلوں اور تنگ گھاٹیوں میں بہتا ہے۔ یہ وادیوں میں تیز رفتاری سے بَل کھاتا ہوا بہتا ہے اور اس کے اس لمبے سفر میں بہت سے آبشار ہیں۔ ایک جگہ تو اس کا نیلا پانی سنگ مرمر کی چٹانوں کو کاٹ کر گزرتا ہے اور دوسری جگہ یہ لال اور پیلے رنگ کی پہاڑیوں کا سینہ چیرتا ہوا آگے بڑھتا ہے اور تیسری جگہ کوئلے کی پہاڑیوں میں بَل کھاتا ہوا بہتا ہے۔ ۱۳۱۲ کلومیٹر لمبے سفر کے بعد، ہر قید و بندش سے آزاد دریا بالآخر گجرات میں بروچ کے قریب کیمبے کھاڑی کی گود میں جا گرتا ہے۔

یہ پچیس میٹر بلند کپِل دھار نامی پہاڑی سے گِر کر ایک خوب صورت آبشار تخلیق کرتا ہے۔ پھر سخت اور پتھریلے علاقوں میں خوشی سے جھُومتا ہوا مانڈلا پہاڑوں کے درمیان میں بہتا ہوا جبل پُور کے قریب دُھواندھار نامی مقامی پر ایک پہاڑی کی چوٹی سے گِرتا ہے۔ پھر گویا کہ اس گِرنے پڑنے سے تھک کر یہ پانچ کلومیٹر تک سنگ مرمر کی پہاڑیوں میں بہت سُست رفتاری سے بہتا ہے۔ اس کے بعد یہ ۳۲۰ کلومیٹر تک وِندھیا اور ست پُڑا کے پہاڑی سلسلوں کی وادی میں بہتا ہے۔ جبل پُور اور ہندیہ کے جنوب میں یہ وادی صرف اسی وجہ سے بہت زیادہ زرخیز ہے کہ دریائی گاد قدرتی کھاد کی صورت میں اس کی زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرتی رہتی ہے۔ یہاں اس کے کناروں پر بہت ہی گھنے جنگل اور پہاڑیاں ہیں جو کسی زمانے میں ڈاکوؤں اور پنڈاریوں کی شکارگاہ اور جائے پناہ تھیں۔ آخر میں نرمدا گجرات کے میدانی علاقے میں داخل ہوتا ہے۔ یہاں دریا اتنا گہرا ہے کہ اس میں آسانی سے کشتی رانی کی جاسکتی ہے۔

ہندوستانی 'دیومالا' کے مطابق ہمارے زیادہ تر دریا خُداداد ہیں۔ اسی ربّانی اصل کی بِنا پر نرمدا کو مقدس تصوّر کیا جاتا ہے۔ ہر سال ہزاروں معتقدین اس دریا کی 'پردکشنا' کی رسم ادا کرتے ہیں۔ وہ اس کے اِردگرد چکّر لگاتے ہیں۔ بروچ میں اس کے دہانے سے سفر شروع کرکے کنارے کنارے چل کر امرکنٹک میں وہ اس کے منبع تک جاتے ہیں اور وہاں پُوجا کرکے دوسرے کنارے کے ساتھ چل کر اس کے دہانے تک واپس آتے ہیں۔ دوسرے ہندوستانی دریاؤں کی طرح اس دریا کے کناروں پر بھی متعدد تیرتھ ہیں —— پَرگت، اوم کار، پَرَوَنی، کرنالی، شُکلا تیرتھ اور خود بروچ۔ یہاں پر نرمدا کے جزیرہ مَندَھت کا ذکر بھی خصوصیت سے کیا جانا

چاہیے - یہی وہ مقام ہے جہاں اوم کارناتھ کا مشہور مندر واقع ہے - اس کے علاوہ مہیشور کا ذکر بھی مناسب ہے جو کسی زمانے میں ایک قدیم مملکت کی راجدھانی بھی رہا ہے اور مندروں اور محلوں کا شہر بھی - نرمدا میں تشکلا تیرتھم کے قریب ایک اور جزیرہ بھی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ کبیر داس نے یہاں ایک بڑ کے درخت کے نیچے ایک تارِکُ الدُّنیا کی زندگی گزاری - اس کو آج تک کبیر کے نام سے پُکارا جاتا ہے -

دوسرے ہندوستانی دریاؤں کی طرح نرمدا سے بھی بہت سے اہم دریا مِلتے ہیں - منڈھت کے مقام پر اس سے بَنجر نامی دریا ملتا ہے - نرسِنگ پُور کے مقام پر اس سے شیر اور شکرؔ نامی دریا ملتے ہیں اور ہوشنگ آباد میں تھاوا ، کنجل اور چھوٹا تھاوا اس سے ملتے ہیں - شمالی سمت میں صرف ایک دریا' ہرن جبل پُور کے مقام پر اس سے ملتا ہے -

اس دریا کے بارے میں ایک دِل چسپ بات یہ ہے کہ اس کی چوڑائی اس کے لمبے سفر کے دوران تبدیل ہوتی رہتی ہے - ایک دوسری دل چسپ بات یہ ہے کہ اس کے دہانے سے اندرونِ مُلک ۸۸ کلومیٹر کی دُوری تک اس میں بہت سے مد و جزر ہیں - اس کی انہی خصوصیات کی بنا پر' اور اس وجہ سے بھی کہ یہ دریا زیادہ تر پہاڑی سلسلوں میں بہتا ہے، نرمدا کے پانی کا صحیح طور پر استعمال نہیں کیا جا سکتا - اس کے باوجود اس کے دہانے سے تقریبًا سو کلومیٹر تک کشتی بانی کی جاتی ہے اور نوّے ہزار مربع کلومیٹر زمین کی سینچائی بھی کی جاتی ہے -

چند چھوٹے دریا

جزیرہ نما ہندوستان کے دریا دو قسم کے ہیں — اندرونُ مُلکی اور ساحلی — ساحلی دریا دراصل چھوٹے چھوٹے چشمے ہیں — ان کی تعداد تقریبًا ۶۰۰ ہے — یہ دریا گجُرات میں سوراشٹر سے مغربی ساحل کے ساتھ ساتھ بہتے ہوئے ہندوستان کے انتہائے جنوب میں کنیا کماری تک نکل جاتے ہیں اور پھر بحرِ عرب میں مل جاتے ہیں - چند دوسرے چشمے جو مشرقی ساحل پر ڈیلٹائی علاقوں سے تعلق رکھتے ہیں اسی صف میں آتے ہیں - اندرون مُلکی دریاؤں کو ہاتھ کی اُنگلیوں پر گِنا جا سکتا ہے - ان میں سے چند مثلاً کاویری، گوداوری اور کرشنا مغربی گھاٹ سے نکل کر خلیج بنگال کی طرف بہتے ہیں اور دوسرے مثلاً نرمدا اور تاپتی مرکزی کوہستانی علاقے سے نکل کر بحرِ عرب کی طرف بہتے ہیں - وہ دریا جو مغربی رُخ بہتے ہیں عام طور پر پہاڑی سلسلوں سے گزرتے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ان کے دہانوں پر کوئی ڈیلٹائی علاقہ وجود میں نہیں آتا - مشرقی رُخ بہنے والے دریاؤں کی یہ خصوصیت ہے کہ ان کے راستوں میں بہت سے ڈیلٹائی علاقے تشکیل

پاتے ہیں۔ ہندوستان کا مشرقی ساحلی آبنائے کا علاقہ انہی ڈیلٹاؤں کی وجہ سے بہت زیادہ زرخیز ہوگیا ہے۔

پنّار ــــ شمالی اور جنوبی

دریائے پنّار ریاست میسور کے نندی درگا نامی پہاڑوں سے نکلتا ہے اور دو شاخوں میں تقسیم ہو کر بہتا ہے (اس کو پینا کینی بھی کہا جاتا ہے) شمالی پنّار ۵۶۰ کلومیٹر لمبا ہے اور آندھرا پردیش کے کڈپہ، اننت پور اور نلّور ضلعوں میں بہتا ہوا نلّور کے جنوب میں خلیج بنگال سے جا ملتا ہے۔ ۶۲۰ کلومیٹر جنوبی پنّار میسور میں بنگلور ضلع سے ہوتا ہوا تامل ناڈو میں سالم اور جنوبی ارکاٹ کے ضلعوں میں سے گزرتا ہوا کڈالور کے شمال میں خلیج بنگال سے جا ملتا ہے۔

پنّار کی خصوصیت یہ ہے کہ اچانک بغیر کسی آثار کے اس میں سیلاب آجاتا ہے اور یہ اُتھلا چھوٹا سا چشمہ زبردست سیلابی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک مثال کہی جاتی ہے: ”مکھن کے پگھلنے سے پہلے پنّار میں سیلاب آجاتا ہے!“ یہ حقیقت ہے کہ پنّار کی کسی بھی شاخ میں پانی سال میں صرف دو مہینے رہتا ہے لیکن پھر بھی اس میں سیلاب آتا ہے۔ ۱۸۸۵ء میں ضلع نلّور کے شمالی پنّار پر بند تعمیر کیا گیا اور بعد میں ہندوستان کے قدیم دوست سر آرتھر کاٹن نے اسے کچھ بہتر کیا۔ اس وقت سے اب تک بہت سی نہریں کھودی گئیں تاکہ اس کا پانی سینچائی کے لیے استعمال کیا جا سکے۔

تامل ناڈو کے جنوبی پنّار میں پانی ہمیشہ بہت ہی قلیل مقدار میں رہتا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ ریاست میسور میں اس کے ۱۰۴ کلومیٹر کے سفر میں اس پر متعدد بند تعمیر کیے گئے ہیں جن کی وجہ سے تامل ناڈو تک پنّار کا پانی بہت ہی قلیل مقدار میں پہنچتا ہے لیکن خوش قسمتی سے تامل ناڈو میں اس سے بہت سے چھوٹے چھوٹے چشمے مل جاتے ہیں جن کی وجہ سے اس کے پانی کی مقدار کسی حد تک بہتر ہو جاتی ہے اور اس کو سینچائی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

پالار

تمل زبان میں ’پالار‘ کے معنی دُودھ کا دریا کے ہیں لیکن پالار ایک بہت ہی معمولی اور خشک دریا ہے مگر اس دریا کی ایک دل چسپ خصوصیت یہ ہے کہ اس میں جہاں کہیں بھی زمین کھودی جائے تازہ پانی کا ایک چشمہ پھُوٹ نکلتا ہے۔ اس دریا کا زیادہ بہتر استعمال ریاست میسور میں کیا جاتا ہے جہاں سے یہ نکلتا ہے بہ نسبت تامل ناڈو کے جہاں یہ بہتا ہوا گزرتا ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر آم، ناریل اور کیسریا درختوں کے جُھنڈ کے جُھنڈ ایک عجیب نظارہ پیش کرتے ہیں۔

پالار نے تاریخ میں بھی ایک اہم رول ادا کیا ہے۔ اس کے پانی سے اس قلعے کی خندق کو بھرا گیا جس کو سولھویں صدی میں دو ریڈی سرداروں، بومی ریڈی اور تِمّا ریڈی نے ویلّور میں بنوایا تھا۔ یہ دریا چِترنگا پٹنم میں سمندر سے مل جاتا ہے۔ یہ علاقہ کسی زمانے میں ڈچوں کے قبضے میں تھا۔ یہاں پر آج بھی اس قلعے کے آثار تاریخ کے اس باب کی شہادت دیتے ہیں۔ اس زمانے میں یہ قصبہ مَلمَل کی تجارت کے لیے بہت مشہور تھا اور آج یہ مچھلی کی تجارت کے لیے مشہور ہے۔

شراوتی

مغربی گھاٹ میں شراوتی ایک بلند پلیٹو سے نکلتا ہے۔ مشہور جوگ آبشار اسی دریا کے راستے میں پڑتا ہے۔ یہ دریا محض چٹان کے ایک کنارے سے یکے بعد دیگرے چار پلیٹ فارموں پر گرتا ہے، جن میں آخری پلیٹ فارم کی اونچائی ۲۵۳ میٹر ہے۔ یہ سب سے آخری پلیٹ فارم ہی ’جوگ‘ یا ’جیرسپا‘ آبشار کہلاتا ہے اور یقیناً ہندوستان کے خوب صورت ترین آبشاروں

میں سے ایک ہے۔ اس پہاڑی کے بقیہ چار پلیٹ فارم راجہ، رورر، راکٹ اور رانی آبشاروں کے نام سے پکارے جاتے ہیں۔ ان آبشاروں کی وادی میں بہت سے ریسٹ ہاؤس اور گیسٹ ہاؤس سیاحوں کی سہولت کے لیے تعمیر کیے گئے ہیں۔ سیاحوں کا گروہ اور جماعتوں کی صورت میں کسی ریسٹ ہاؤس کے وراندے کے سرسبز لان میں دیکھا جانا ایک بہت ہی معمولی بات ہے۔ یہ لوگ گھنٹوں ان آبشاروں کو ٹکٹکی لگائے دیکھتے رہتے ہیں۔ ان آبشاروں کے بلندترین حصے پر پہنچنا ممکن ہے جہاں کھڑے ہو کر جوگ آبشار کے بلوریں پانی کو جو کہ پہاڑ کے چہرے پر گرتا ہے ٹکٹکی لگا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ اس کی دبیز بوچھاڑیں پہاڑ کی آدھی بلندی تک اُچھلتی ہیں۔

کیرالا کے دریا

ریاست کیرالا ہندوستان کے انتہائے جنوب میں واقع ہے۔ اس چھوٹی سی ریاست میں چالیس سے زیادہ دریا، ان سے ملنے والے چھوٹے چھوٹے چشمے اور ان کی شاخیں ہیں۔ یہ علاقہ ندی نالوں سے پٹا پڑا ہے لیکن ان میں سے زیادہ تر معمولی چشموں سے زیادہ نہیں ہیں اور ان میں سے چند تو صرف بارش کے زمانے میں ہی بہتے ہیں۔ اس ریاست کے دو بڑے دریا 'بھرت پھوزا' اور 'پریار' ہیں۔ پریار مغربی گھاٹ کے سیواگری پہاڑوں کے گھنے جنگلات سے نکلتا ہے۔ یہ ۲۲۵ کلومیٹر لمبا ہے اور کوچین کے شمال میں بحرِ عرب سے جا ملتا ہے۔ یہ دریا اپنے دہانے سے ۱۶۰ کلومیٹر اندرونِ ملک کشتی رانی کے قابل ہے۔ اس دریا پر تریوانکور پہاڑوں کے مقام پر ایک بند تعمیر کر کے اس کے پانی کو ایک سُرنگ کے ذریعے مشرقی رُخ بہایا گیا ہے۔ پہاڑوں کے سینے میں کھودی گئی یہ سُرنگ ۱۷۶۶ میٹر لمبی ہے۔ یہ سُرنگ ۱۸۹۵ء میں کھودی گئی اور اُس وقت اس کو انجینیرنگ کا ایک بہت بڑا کارنامہ سمجھا جاتا تھا۔ اس سُرنگ میں سے یہ دریا بہتا ہوا تامل ناڈو کے ضلع مدورائی میں آتا ہے۔ یہاں یہ دریائے 'وائی گئی' سے ملتا ہے اور یہاں کی زمین کی زرخیزی میں اضافہ کرتا ہے۔ اس سُرنگ سے پہلے پریار کا زیادہ تر پانی ضائع ہو جاتا تھا۔

کیرالا کی بند کھاڑیاں

پریار پر جنگلی جانوروں کی جائے پناہ

اس دریا پر تریوانکور پہاڑوں پر بند تعمیر کیا گیا ہے جس کے نتیجے میں پانی کا ایک خزانہ وجود میں آتا ہے۔ اس کے دونوں کناروں پر گھنے جنگلات ہیں جو جنگلی جانوروں کی جائے پناہ ہیں۔ یہ علاقہ شکار کے لیے ممنوع ہے۔ یہ جنگلی جانوروں کی ہندوستان میں سب سے زیادہ مشہور جائے پناہ ہے۔ یہاں نہ صرف ہندوستان کے کونے کونے سے بلکہ دُنیا کے کونے کونے سے ان جنگلی جانوروں کو دیکھنے کے لیے لوگ آتے ہیں۔ یہ لوگ موٹر بوٹوں میں بیٹھ کر ہاتھیوں، جنگلی بھینسوں اور رِیچھوں وغیرہ کے جُھنڈ کے جُھنڈ، جب یہ جھیل پر پانی پینے آتے ہیں، دیکھ سکتے ہیں۔ اس علاقے میں اس بات کا ہر ممکن خیال رکھا گیا ہے کہ یہاں کے ماحول میں جنگلی جانورو

کو کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہ ہو۔

کیرالا میں ایک اور دریا ہے جس کو 'پمپا' کہتے ہیں۔ کولم ضلع کے پہاڑوں میں بہنے والے متعدد چھوٹے چھوٹے چشمے مل کر اس دریا کی تشکیل کرتے ہیں۔ یہ صرف ۱۴۴ کلومیٹر لمبا ہے۔ کٹّاناڈ کا علاقہ جو کیرالا کی اناج کی منڈی سمجھا جاتا ہے، اسی دریائے پمپا سے سیراب ہوتا ہے۔ یہ دریا اونم کے میلے کے موقع پر سالانہ بوٹ ریس کے لیے بھی مشہور ہے۔ ہر سانپ نما لمبی لمبی کشتی میں سو سے بھی زیادہ آدمی سما سکتے ہیں۔ اس مقابلے میں حصّہ لینے والے چپّوؤں کے بجائے پائدان استعمال کرتے ہیں۔ اس کے کناروں پر آباد تمام لوگ اس کشتی دوڑ میں حصّہ لیتے ہیں جو کہ کیرالا کی رواجی زندگی کی بہترین نمائندگی کرتی ہے۔

تامل ناڈو کے تین دریا

تامل ناڈو میں 'مدورائی' دوسرا سب سے بڑا شہر ہے۔ ایک زمانے میں یہ پانڈیہ خاندان کے راجاؤں کی راجدھانی تھا۔ صدیوں سے یہ شہر تمل تہذیب اور ادب کا مرکز رہا ہے۔ اسی شہر میں مشہور زمانہ میناکشی مندر واقع ہے۔ یہ چار بہت ہی عظیم الشان میناروں (گوپوراموں) پر مشتمل ہے۔ اسی شہر میں ایک چھوٹا سا دریا 'وائی گئی' بہتا ہے — یہ صرف ۲۶۰ کلومیٹر لمبا ہے۔ یہ دریا مغربی گھاٹ میں الائچی پہاڑیوں کے قریب ورشا وادی سے نکلتا ہے اور آبنائے پلک کے مقام پر سمندر سے جا ملتا ہے۔ بارش کے زمانے میں یہ دریا بہت زور پر رہتا ہے اور سال کے آخری تین مہینوں میں اس میں سوکھا پڑا رہتا ہے۔ ریاست کیرالا کے پریار کا پانی ملنے پر ہی یہ بے حقیقت دریا کسی حد تک تامل ناڈو کے کام آتا ہے۔

قدیم تمل ادب 'سیلاپدی کارم' میں الانگو نامی شاعر نے 'وائی گئی' کے پانی کی رفتار کو بہت خوب صورت، دِل کش اور مدُھر قرار دیا ہے۔ وہ وائی گئی کا موازنہ ایک عورت سے کرتا ہے، اس کے ریتیلے کنارے کے درمیان میں سُرخ سُرخ پھول اس کے ہونٹ ہیں،
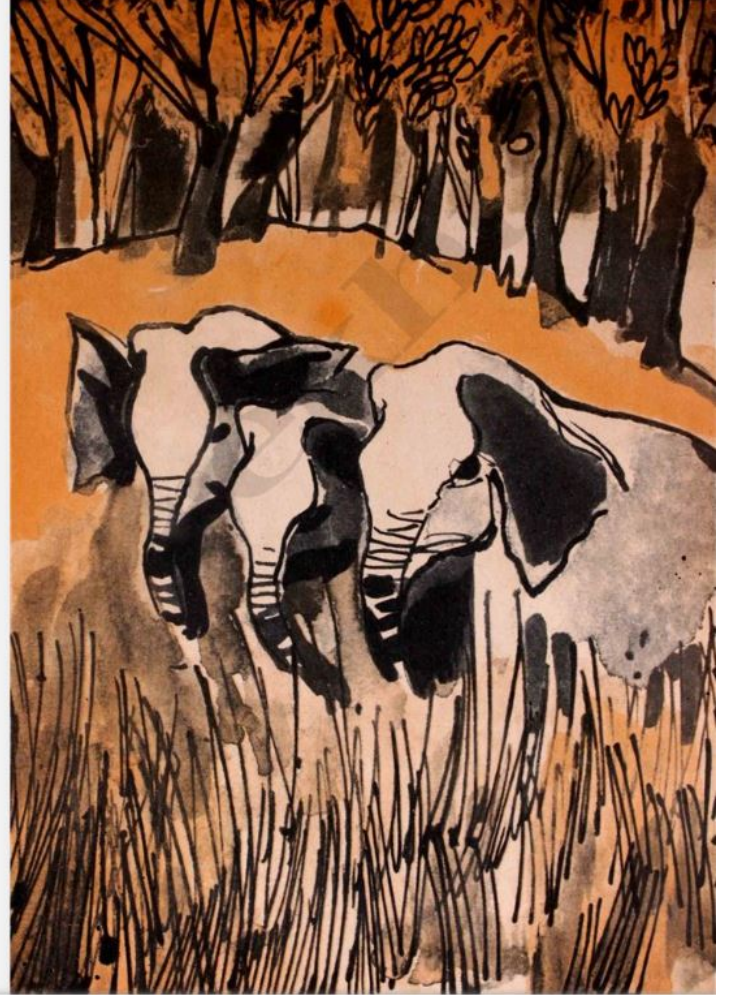
اس کے پانی کی سطح پر بہتے ہوئے سفید یاسمین کے پھول اس کی آنکھیں اور پانی سے پلٹے ہوئے کنارے اس کے گیسو ہیں۔ قدیم زمانے میں وائی گئی میں چلنے والی کشتیاں دستکاری کا بہترین نمونہ ہوا کرتی تھیں جن کے اگلے حصّے گھوڑے، ہاتھی یا اُونٹ کی شکلوں کے بنے ہوتے تھے۔

ایک زمانے میں بھگوان شو کے معتقدین اور جینیوں کے درمیان تامل ناڈو میں حصول اقتدار کے لیے جنگیں ہوتی رہتی تھیں۔ اس زمانے میں ہر قوم اپنے مذہب کی برتری قایم کرنے کے لیے وائی گئی کے پانی کو مختلف طریقوں پر استعمال کرتی تھی۔ ان میں سے ہر جماعت ناریل کے پتّوں پر اپنے مذہبی اصول اور عقائد لکھ کر اس دریا میں ڈالا کرتی تھی۔ ان کا اعتقاد تھا کہ بہتر مذہب کے اصولوں پر مشتمل پتّے پانی کے بہاؤ کے برخلاف اس پر تیرتے رہتے تھے! یہ محض ایک کہانی ہے مگر ہے دِل چسپ!

تامل ناڈو میں ایک اور دریا ہے جو صرف ایک ضلع کے اندر اندر رہی محدود ہے۔ اس کا نام 'تامبر پرنی' ہے۔ یہ مغربی گھاٹ کے پودی گائی پہاڑ کی چوٹی سے نکلتا ہے جو سطح سمندر سے ۱۸۳۸ میٹر بلند ہے۔ تامبر پرنی صرف ۱۲۰ کلومیٹر

میناکشی مندر

لمبا ہے۔ ان ۱۲۰ کلومیٹر میں سے
۲۴ کلومیٹر تک یہ پہاڑوں
کی ڈھلوان پر
بہتا ہے۔

اس دریا کے بقیہ حصے کا پانی سینچائی کے لیے بہت کثرت سے استعمال کیا جاتا ہے۔
ترنل ویلی کا ضلع جہاں یہ دریا بہتا ہے بہت ہی خوش حال اور زرخیز ہے۔
کہا جاتا ہے کہ تامبر پرنی کے پانی میں کیوں کہ تانبہ (سنسکرت میں 'تامبر' کے معنی تانبہ ہیں) پایا جاتا ہے اس لیے اس کو 'تامبر پرنی' کہتے ہیں۔

وہ پہاڑ جہاں اس دریا کا منبع ہے تامل شاعری میں بہت سراہا گیا ہے۔
اس پہاڑ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس کے سر پر چاند کا تاج ہے یا پھر یہ کہ اس کی چوٹی پر جنوبی ہوائیں رقص کرتی ہیں، کیوں کہ یہ پہاڑ مغربی اور مشرقی مان سونی ہواؤں کا مسلسل مقابلہ کرتا ہے، اس لیے یہ سال کے زیادہ تر حصے میں بادلوں سے ڈھکا رہتا ہے۔ موسم خزاں کے زمانے میں یہ جگہ بہت ہی خوب صورت معلوم ہوتی ہے اور چھٹیاں گزارنے اور تفریح کرنے کے لیے بہت ہی مناسب ہے۔ تامبر پرنی کے پلودی گائی پہاڑ سے نیچے اترنے تک متعدد آبشار راستے میں پڑتے ہیں۔
ان میں سے سب سے زیادہ عظیم الشان آبشار کلیان تیرتھم ہے جو ۹۰ میٹر کی بلندی سے گرتا ہے۔